بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برہان المسلمین

(حجیّت حدیث کے دلائل)

مصنّف

مسعود احمد ، بی ، ایس سی

امیر جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاتب . . . . عبدالحفیظ

سال طباعت ۱۴۰۹ھ (۱۹۸۸ء)

اشاعت . . . . ثالث

تعداد . . . . ایک ہزار

شائع کردہ

جماعت المسلمین

مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی، نارتھ ناظم آباد،

بلاک جی، کراچی ۳۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	تمہید	۵
۲	باب اول۔ حدیث وحی ہے	۸
۳	باب دوم۔ حدیث ماخذ قانون ہے	۷۴
۴	باب سوم۔ اطاعتِ رسول فرض ہے	۱۰۳
۵	باب چہارم۔ حجّیت حدیث اور تواتر	۱۱۲
۶	باب پنجم۔ حجیت حدیث پر اعتراضات اور ان کے جوابات	۱۳۸
۷	باب ششم۔ منکرین حدیث کے سربراہ کی تحریروں سے حدیث کے حجّت شرعیہ ہونے کا ثبوت۔	۱۹۱
۸	باب ہفتم۔ تدوین حدیث اور تدوین حدیث پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔	۱۹۸
۹	کتابت احادیث	۲۰۵
۱۰	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتب احادیث	۲۰۸
۱۱	صحابۂ کرام کی کتب احادیث	۲۱۵
۱۲	ڈھائی سو سال کا شاخسانہ	۲۳۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی : اللہ تبارک و تعالےٰ	.. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	.. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام	.. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام مسلم	.. فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک	یعنی : اللہ تعالےٰ سے تعلق	.. دُنیوی تعلقات نہیں
وجہِ افتخار	صرف ایک	یعنی : ایمانُ باللہ العظیم	.. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے
ساتھ تعاون فرمائیں۔
لٹریچر مفت طلب فرمائیں۔

جماعتُ المسلمین

مسجد المسلمین ۔ کوثر نیازی کالونی ۔
نارتھ ناظم آباد بلاک جی کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ شروع اسلام سے اب تک حدیث کو حجّتِ شرعیہ سمجھا گیا۔ اسی بنیاد پر علمائے اسلام نے حدیث کی حفاظت میں انتھک کوشش کی اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بیسیوں فنون ایجاد کئے، ہر فن پر حدیث کو پرکھا اور مختلف قسم کی باریکیوں سے کام لیا۔ محدّثین کرام کا یہ ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

محدثینِ کرام کی مساعی جمیلہ اور محنتِ شاقہ کے نتیجے میں آج امّتِ مسلمہ کو صحیح احادیث کا ایک بیش بہا ذخیرہ میسّر ہے جس کی روشنی میں امّت مسلمہ کا ہر فرد بآسانی صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتا ہے اور قرآنِ مجید پر اللہ تبارک وتعالےٰ کی منشاء کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

دینِ اسلام میں شریعتِ الٰہیّہ کے دو ماخذ ہیں :۔

اوّل : قرآن مجید

دوم : حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حدیث ، قرآن مجید کے معنی و مفہوم کو متعین کرتی ہے اور قرآن مجید پر عمل کرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔

حدیث ہی ہے جو قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے سے باز رکھتی ہے اور کسی ملحد کو یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ قرآن مجید کے جو معنی چاہے کردے۔

افسوس کہ ماضی قریب اور دورِ حاضر میں چند لوگ ایسے پیدا ہوئے جن کو یہ تقیید ناگوار گزرا ، زمانہ کے ساتھ دین کو بدلنے میں انہیں حدیث بڑی رکاوٹ نظر آئی۔ قرآن مجید کو اپنے من مانے معنی پہنانے میں حدیث سدِّ راہ ثابت ہوئی۔ جدّت پسندی اور تن آسانی کو بروئے کار لانے میں انہیں حدیث کا وجود کھٹکنے لگا ، الغرض بڑی ہوشیاری سے انہوں نے حدیث کو راستے سے ہٹانے کے لئے قدم بڑھایا اور مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے بتدریج حدیث کے حجّت شرعیہ ہونے سے انکار کر دیا۔

جن لوگوں نے حدیث کے حجّت شرعیہ ہونے کا انکار کیا انہیں منکرین حدیث کہتے ہیں ، ان کے نزدیک لبقول ان کے صرف قرآن مجید حجّت شرعیّہ ہے اور صرف اُسی پر عمل کرنا اسلام ہے۔

جو لوگ دین کو اپنے اوپر ایک بوجھ سمجھتے تھے انہیں منکرین حدیث کی یہ بات بہت پسند آئی اور انہوں نے بڑی آسانی سے منکرین حدیث کی دعوت پر لبیک کہا ، اس طرح اس فتنہ میں ترقی ہوتی رہی اور ہو رہی ہے۔

علماء کرام نے اس فتنہ کا تعاقب کیا ، منکرین حدیث کے ردّ میں مختلف کتابیں لکھی گئیں ، منکرین حدیث کے تمام اعتراضات کا دندان شکن جواب دیا لیکن وہ برابر اپنے اعتراضات کو دوہراتے رہے اور دوہرا رہے ہیں۔

فتنۂ انکارِ حدیث کے سلسلے میں جو کتابیں لکھی گئیں یہ کتاب المسمی بہ "برہان المسلمین" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، حدیث کو حجت شرعیہ ثابت کرنے کے لئے اس کتاب میں دلائل کو مندرجہ ذیل عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور ہر عنوان کو ایک مستقل باب کی حیثیت سے اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

عنوانات یہ ہیں :۔

(۱) حدیث وحی ہے۔

(۲) حدیث ماخذِ قانون ہے۔

(۳) اطاعتِ رسول فرض ہے۔

(۴) حجیّتِ حدیث اور تواتر۔

(۵) حجیّتِ حدیث پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔

(۶) منکرینِ حدیث کے سربراہ کی تحریروں سے حدیث کے حجّت شرعیّہ ہونے کا ثبوت۔

(۷) تدوینِ حدیث، تدوینِ حدیث پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔

اللہ تعالےٰ سے دعاء ہے کہ وہ اس کتاب کے ذریعہ بھٹکے ہوئے اشخاص اور فریب خوردہ افراد کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

نوٹ : (۱) اس کتاب میں جو احادیث اور آثار نقل کئے گئے ہیں وہ سب صحیح یا حسن سند سے ہیں، ضعیف سند کی کوئی حدیث یا اثر نقل نہیں کیا گیا۔

(۲) تدوینِ حدیث کے سلسلے میں مختلف کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور صحابۂ کرام کے مزید نوشتوں کا ذکر ملتا ہے لیکن کیونکہ ان کی سندوں کی تحقیق کا وقت نہ مل سکا لہٰذا انہیں اس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حدیث وحی ہے

حدیث وحی ہے یعنی منزّل من اللہ ہے۔ حدیث کے وحی ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں :۔

دلیل ۱ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۔ (آل عمران ۱۲۴)

اے رسول جب آپ مؤمنین سے یہ کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے نازل فرما کر تمہاری مدد فرمائے۔

آیت کا انداز بتا رہا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بطور تسلّی صحابۂ کرام کو تین ہزار فرشتوں کی امداد کی خبر دی تھی۔ کیونکہ یہ خبر قرآن میں کہیں نہیں ہے لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ کوئی وحی آئی تھی جس کی بنیاد پر آپؐ نے یہ خوشخبری دی تھی۔

دلیل ۲ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى

اور (اے رسولؐ) جس قبلہ کی طرف آپ پہلے منہ کرتے تھے اس کو ہم نے کسی اور مقصد کے لئے مقرّر نہیں کیا تھا سوائے

عَقِبَیۡہِ (البقرۃ ۱۴۳) اس کے کہ ہم یہ دیکھ لیں کہ کون رسولؐ کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں (کفر کی طرف) واپس ہو جاتا ہے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم اللہ تعالےٰ نے دیا تھا لیکن وہ حکم قرآن مجید میں نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ کوئی وحی تھی جس کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا تھا۔

منکرینِ حدیث کے تین دور۔

دورِ اول منکرینِ حدیث نے اس دلیل کے جواب میں پہلے تو یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت کی اتباع میں بیت المقدس کی طرف منہ کیا تھا اور کیونکہ توریت میں یہ حکم اللہ کی طرف سے نازل ہوا تھا لہذا آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالےٰ نے اسی حکم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

دورِ ثانی پھر یہ کہا گیا کہ آیت مذکورہ میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کے حکم کی طرف اشارہ ہے اور ترجمہ اس طرح کیا گیا "اب جس قبلہ کی طرف آپؐ منہ کر رہے ہیں اس کا حکم اللہ ہی نے دیا تھا" یعنی آیت میں بیت المقدس کو قبلہ بنانے کے حکم کا ذکر نہیں ہے اور جب بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے تو پھر اس کی طرف منہ کرنے کے حکم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یعنی کوئی وحی نہیں آئی۔

دورِ ثالث اب سب کے آخر میں یہ کہا گیا کہ قبلہ کبھی بدلا ہی نہیں گیا۔ ابتدائے نبوّت سے کعبہ ہی کی طرف منہ کرنے کا حکم تھا۔

پہلی دو غلط فہمیوں کی تو خود منکرین حدیث ہی نے تردید کر دی لہذا ہم صرف تیسری غلط فہمی کا ازالہ کرتے ہیں۔

تحویل قبلہ کے انکار میں مندرجہ ذیل رکاوٹیں تھیں۔ انہیں کس طرح دور کیا گیا۔ ذیل میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۔ قرآن مجید کی آیات میں تحویل قبلہ کا ذکر ہے۔ لہذا تحویل قبلہ کے انکار کے لئے خود قرآنی آیات مانع تھیں۔ اس رکاوٹ کو دور کرنے کا آسان طریقہ یہ نکالا گیا کہ قرآنی آیات کے معنی بدل دئے، اس طرح رکاوٹ خود بخود دور ہو گئی۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا (البقرۃ ۱۴۴) — ہم آپ کا منہ اس قبلہ کی طرف موڑ دیں گے جس قبلہ کی طرف منہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قبلہ بدلا گیا۔ لیکن ان لوگوں نے آیت کے معنی ایسے کر دئے کہ تحویل قبلہ کا مفہوم کالعدم ہو گیا۔

اس کا ترجمہ اس طرح کیا گیا۔

"ہم اس قبلہ کا متولّی آپ کو بنا دیں گے جو قبلہ آپ کو پسند ہے۔"

کس قدر کھلی تحریف ہے:

اس آیت سے پہلے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ (البقرۃ ۱۴۴) — ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بار بار (وحی کے انتظار میں) اپنا چہرہ آسمان کی طرف کرتے ہیں۔

اس کا ترجمہ اس طرح کر دیا گیا۔

"ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے دل میں یہ خیال بار بار اٹھتا ہے کہ جس کعبہ کی طرف میں منہ کرتا ہوں وہ میرے قبضہ میں نہیں)"

عجیب و غریب ترجمہ ہے کہ جس میں نہ آسمان کا ذکر ہے نہ چہرہ کا پھر اس خیال کا جو قوسین میں دیا گیا ہے کہیں قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ خود ساختہ ہے۔

غرض یہ کہ اس طرح دوسری آیات کے معنی بھی بدل دئے گئے۔

۲۔ تحویل قبلہ کے انکار میں دوسری رکاوٹ احادیث و تاریخ کی تھی ان کو یہ کہہ کر ختم کر دیا گیا کہ یہ سب جعلی ہیں۔ اللہ اللہ متواتر احادیث صحیحہ اور تاریخی شواہد کا کس جرأت کے ساتھ انکار کیا گیا ہے کہ سوائے "انا للہ" پڑھنے کے اور کیا کیا جا سکتا ہے۔

اب جب دونوں رکاوٹوں کو دفع کر دیا تو راستہ صاف ہو گیا اور آیت زیر بحث میں حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت باقی نہیں رہا۔

تحویلِ قبلہ سے انکار صحیح نہیں

منکرین حدیث کا تحویل قبلہ سے انکار کرنا مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر صحیح نہیں۔

۱۔ قرآنی آیات میں تحریف معنوی کرنی پڑتی ہے۔

۲۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی متفق علیہ احادیث اور دیگر احادیث صحیحہ

متواترہ کا انکار تواتر اور حقیقت ثابتہ کا انکار ہے اور یہ باطل ہے۔

۳۔ تاریخ کا انکار جس کو یہ لوگ تاریخی حقائق کے نام سے بڑی اہمیت دیتے ہیں۔

۴۔ وہ مسجد اب تک موجود ہے جس میں ایک ہی نماز دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے پڑھی گئی تھی۔ یعنی نماز بیت المقدس کی طرف منہ کر کے شروع کی گئی اور دوران نماز کعبہ کی طرف منہ کیا گیا۔ اس مسجد کا نام مسجد القبلتین ہے۔ یہ مسجد تحویل قبلہ کا زندہ ثبوت ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے پر یہودیوں نے اعتراض کیا تھا کہ انہوں نے اپنے سابقہ قبلہ سے کیوں منہ پھیر لیا۔ یہ اعتراض اس ہی وقت ممکن ہے جبکہ تحویل قبلہ کو تسلیم کیا جائے۔ ورنہ اگر ابتدائے نبوت سے ہی آپ قبلۂ ابراہیمی کی طرف منہ کرتے تو اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔

۶۔ قرآن مجید کے من مانے ترجمے سے نہ صرف یہ کہ متواتر احادیث صحیحہ اور تاریخی شواہد کا انکار لازم آتا ہے بلکہ خود قرآنی سیاق و سباق اس ترجمہ کا متحمل نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا۔ (البقرۃ ۱۴۲)

بے وقوف لوگ عنقریب کہیں گے کہ کس چیز نے انہیں اس قبلہ سے پھیر دیا جس قبلہ کی طرف یہ اب تک منہ کرتے تھے۔

اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

اے رسولؐ آپ اپنے چہرہ کو مسجد حرام

الْحَرَام - (بقرۃ ۱۴۴ ، ۱۵۰) کی طرف پھیر لیجئے۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ۔ (بقرۃ ۱۴۴ ، ۱۵۰)

اور جہاں کہیں تم ہو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔

مندرجہ بالا آیات اس بات کی واضح دلیل ہیں کہ یہاں متّولی بنائے جانے کا مفہوم بالکل غلط ہے، یہاں تو بات ایک قبلہ سے منہ پھیرنے اور دوسرے قبلہ کی طرف رخ کرنے کی ہو رہی ہے۔

لہذا تحویل قبلہ سے انکار بالبداہت باطل ہے۔ اور آیت زیر بحث حدیث کے وحی ہونے کا کھلا ثبوت ہے۔

دلیل نمبر ۳ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (جمعۃ ۹)

اے ایمان والو، جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف آؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

یہ آیت کب نازل ہوئی اس کا ذکر بھی قرآن میں اس طرح آتا ہے۔

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا ۚ قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ

اور جب ان لوگوں نے تجارت یا تماشا دیکھا تو اس طرف چلے گئے اور آپ کو کھڑا چھوڑ گئے آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ

التِّجَارَةِ وَاللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔ (جمعۃ ۱۱)	اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

گویا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب جمعہ کی نماز کے وقت بعض لوگ تجارت کے لئے چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔

آیت زیر بحث سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ کے لئے اذان دی جاتی تھی جمعہ کے دن کوئی خاص نماز تھی جس میں لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں کا قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ لہذا یہ دونوں کام کسی ایسے حکم کی تعمیل میں ہو رہے تھے جو قرآن مجید میں نازل نہیں ہوا تھا بلکہ قرآن مجید کے علاوہ تھا اور جب اس حکم کی خلاف ورزی عمل میں آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ تنبیہ کر دی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ حکم بذریعہ حدیث ملا تھا۔ لہذا حدیث وحی ہے۔

آیت بالا میں حدیث کے خلاف عمل کرنے پر تنبیہ نازل ہوئی اس سے حدیث کے احکام کی اہمیت آشکار ہے۔

دلیل ۴ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ ○ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَمَا	نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور پر بیچ کی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو۔ پھر اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو (چلتے پھرتے)

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝ پیدل بھی اور سواری پر بھی نماز ادا کر
(البقرۃ ۲۳۸ - ۲۳۹) سکتے ہو۔ لیکن جب امن ہو جائے تو
پھر اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح
تمہیں اللہ نے سکھایا ہے۔ جس کو تم نہیں
جانتے تھے۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ حالتِ امن میں کوئی خاص طریقہ ہے جس طریقہ سے نماز ادا کی جاتی ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہے کہ " اللہ نے تمہیں سکھایا "۔ پورا قرآن مجید پڑھ جایئے نماز کا طریقہ آپ کو نہیں ملے گا۔ لہٰذا اللہ نے کسی اور ذریعہ سے نماز کا طریقہ سکھایا ہے اور یہی وہ ذریعہ ہے جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔ لہٰذا حدیث بھی منزّل من اللہ ہے۔

دلیل ۵ | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ۔ (حشر ۵) (جنگ بنو نضیر میں) جو درخت تم نے کاٹے یا جو درخت اپنی جڑوں پر کھڑے چھوڑ دیئے، یہ اللہ کے حکم سے تھا۔

پورے قرآن مجید میں یہ حکم کہیں نہیں کہ فلاں درخت کاٹے جائیں اور فلاں درخت چھوڑ دیئے جائیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی اور ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو حکم دیا تھا یعنی قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی۔

دلیل ۶ | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اور اُن تین آدمیوں کی طرف بھی اللہ

اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْآ اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ (توبۃ ۱۱۸)	تعالیٰ نے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادگی کے ان پر تنگ ہو گئی اور اُن کی جانیں ان پر وبال بن گئیں اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے غضب سے بچنے کا سوائے اللہ کے اور کوئی ٹھکانہ نہیں، تو اللہ ان پر متوجہ ہوا تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یہ تین آدمی کون تھے؟ ان کا کیا قصور تھا؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر غصہ کا اظہار کس آیت میں کیا تھا؟ قرآن مجید ان تمام باتوں سے خاموش ہے۔ ظاہر ہے کہ توبہ قبول کرنے سے پہلے غیظ و غضب کا اظہار بھی کیا گیا ہوگا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پچاس دن تک ان کا مکمل مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا گیا۔ سلام و کلام بند کر دیا گیا، حتیٰ کہ بیویوں کو بھی علیحدہ ہو جانے کا حکم ملا۔ یہ سب کچھ کس کے حکم سے تھا؟ ظاہر ہے کہ جس کے حکم سے معافی دی جا رہی ہے اُسی کے حکم سے مقاطعہ بھی کیا گیا ہوگا لیکن وہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی۔

دلیل ۷ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ	اور جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے

حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ○ (تحریم ۳)

راز کی بات کہی پھر جب اس بیوی نے راز کو ظاہر کر دیا اور اللہ نے نبی کو مطلع کر دیا تو نبی نے بعض باتوں کو جتا دیا اور بعض سے چشم پوشی کی۔ پھر جب نبی نے اس بیوی کو یہ بات بتائی تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے بتایا (کہ میں نے راز کو ظاہر کر دیا) نبی نے جواب دیا کہ مجھے علیم و خبیر نے بتایا۔

وہ راز کیا تھا؟ کونسی بیوی تھی؟ قرآن مجید خاموش ہے۔ قرآن مجید سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کسی بیوی کو آپ نے منع کر دیا تھا کہ راز ظاہر نہ کریں لیکن انہوں نے ظاہر کر دیا۔ اللہ تعالےٰ نے نبی کو افشائے راز کی اطلاع دی۔ لیکن کس طرح دی۔ یہ چیز قرآن مجید میں نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ کسی اور وحی کے ذریعہ مطلع کیا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی سلسلہ وحی جاری رہا کرتا تھا۔ پھر قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی نے ازراہ تعجب پوچھا کہ آپ کو کس نے بتایا کہ میں نے راز کو ظاہر کر دیا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "العلیم الخبیر" نے۔ ان الفاظ سے بالبداہت ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو مطلع کیا تھا۔ اب بھی اگر کوئی کہے کہ کسی "العلیم الخبیر" انسان نے خبر دی تھی جیسا کہ منکرین حدیث کا کہنا ہے اور "فلما اظہرہُ اللہ علیہ" میں بھی اللہ سے مراد کوئی انسان ہے تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہی ان کو ہدایت دے منکرین حدیث کا یہ خیال

منصب نبوّت کے قطعاً منافی ہے۔ جب اطلاع دینے والا اللہ ہو، جس کو اطلاع دی جا رہی ہو وہ نبی ہو تو سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بذریعہ وحی اپنے نبی کو بتایا تھا۔ اور وہ وحی قرآن مجید کے علاوہ تھی۔ اگر یہ تسلیم نہیں تو پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو کچھ بھی اللہ نے آپ کو سکھایا وہ سب درحقیقت انسانوں نے ہی آپ کو سکھایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ ایسی صورت میں معاذ اللہ نہ وحی رہے گی نہ نبوّت۔ قصّہ ختم۔

دلیل ۸ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ (مجادلۃ ۸)	کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشی سے منع کیا گیا تھا (لیکن یہ لوگ باز نہیں آئے اور) پھر وہی کام کر رہے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آیت کے نزول سے پہلے مسلمین کو سرگوشی سے منع کیا گیا تھا لیکن ممانعت کا وہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ	اے ایمان والو! جب تم سرگوشی کیا کرو تو گناہ عُدوان اور معصیتِ رسول کے

وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا	لئے سرگوشی مت کیا کرو بلکہ نیکی اور تقویٰ
بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ	کے لئے سرگوشی کیا کرو اور اللہ سے
اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ○	ڈرو جس کے پاس تم سب اکٹھے کئے
(مجادلۃ ۹)	جاؤ گے۔

اس آیت کو پیش کر کے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس آیت میں سرگوشی کی ممانعت ہے لہذا کسی دوسری وحی کی ضرورت نہیں۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت سورہ مجادلۃ میں بعد میں واقع ہوئی ہے اور وہ آیت پہلے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ممانعت کی آیت بعد میں نازل ہوئی اور ممانعت کے بعد جو واقعہ پیش آیا اس کے متعلق آیت پہلے نازل ہوئی۔ دراصل ممانعت پہلے حدیث کے ذریعہ نازل ہوئی۔ لوگوں نے اس کی خلاف ورزی کی تو اللہ نے پہلے تنبیہ کی اور تنبیہ کے بعد پھر اسی حکم کو قرآن مجید میں دوہرایا۔

دلیل ۹ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ	بے شک آپ کے رب کو علم ہے کہ
اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ	آپ کبھی تقریبًا دو تہائی رات،
وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ	کبھی نصف رات اور کبھی تہائی
مَعَكَ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ	رات نماز پڑھتے رہتے ہیں اور
وَالنَّهَارَ۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ	مؤمنین کی ایک جماعت بھی آپ کے
فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ	ساتھ ہوتی ہے۔ اللہ ہی رات و دن
مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (مزمّل ۲۰)	کا وقت مقرر کرتا ہے۔ اللہ کو معلوم

تھا کہ تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے
لہٰذا اللہ نے تمہارے حال پر رحم
کیا۔ اب تم جتنا قرآن آسانی سے
پڑھ سکتے ہو پڑھ لیا کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے تخفیف کا حکم نازل کیا اور تخفیف اسی صورت میں ممکن ہوسکتی ہے کہ پہلے رات کا قیام فرض کیا گیا ہو۔ لیکن قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ تہجد کی نماز مؤمنین پر فرض کی گئی تھی۔ پس ثابت ہوا کہ تہجد کی نماز کا حکم بذریعہ حدیث دیا گیا تھا۔ لہٰذا حدیث وحی ہے۔

ایک شبہ

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ نِّصْفَهٗٓ اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ○ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ○ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ○ (مزمل ۱ تا ۵)

اے مزمل! آپؐ رات کو نماز پڑھا کریں مگر تھوڑی رات مستثنیٰ ہے۔ نصف رات یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ دیر تک نماز پڑھا کریں۔ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں بیشک ہم آپ پر ایک بھاری بات کا بوجھ ڈالنے والے ہیں۔

ان آیتوں کو پیش کر کے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مؤمنین کو تہجد کا حکم ان آیات میں دیا گیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم صرف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا اور یہ کہہ کر دیا گیا تھا کہ آپ کو ایک بھاری بات وحی کی جانے والی ہے۔ گویا ان آیات میں خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام اللیل کا حکم دیا گیا تھا نہ کہ مؤمنین کو۔ لہٰذا ان آیات سے مؤمنین پر تہجد کی فرضیّت ثابت نہیں ہوتی۔

دلیل نمبر ۱ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ. (نسآء ۱۱)	تمہاری اولاد کے ورثہ کے سلسلہ میں اللہ تعالےٰ تم کو وصیّت کرتا ہے کہ لڑکے کو دو لڑکیوں کے برابر حصّہ ملے گا۔ اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو ان سب کو کل ترکہ کا دو تہائی ملے گا اور اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اُسے نصف ملے گا۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اگر لڑکے نہ ہوں اور دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو انہیں دو تہائی ملے گا اور ایک تہائی باقی بچے گا۔ اگر صرف ایک لڑکی ہو تو اُسے نصف ملے گا اور نصف باقی رہے گا۔

آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ باقی بچا ہوا حصّہ (یعنی پہلی صورت میں ایک تہائی اور دوسری صورت میں نصف) کہاں تقسیم ہوگا؟

اس کا کیا مصرف ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا بھی کوئی مصرف بتایا گیا ہوگا لیکن وہ حکم قرآن مجید میں نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی۔

دلیل ۱۱ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ۔ (البقرہ ۱۸۷)

اللہ کو معلوم ہے کہ تم اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کر رہے تھے پس اللہ تم پر متوجہ ہوا اور تمہارا قصور معاف کر دیا اب تم عورتوں سے میل جول رکھ سکتے ہو اور جو اولاد اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دی ہے اسے تلاش کر سکتے ہو۔

آیت بالا کے نزول سے پہلے رمضان کی راتوں میں عورتوں کے پاس جانا اور کھانا پینا منع تھا۔ بعض لوگوں سے اس میں کوتاہی ہوئی۔ رمضان کی رات میں غلطی کر بیٹھے۔ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرما کر اس حکم میں تخفیف کر دی اور اب روزہ صرف دن کا رہ گیا لیکن تخفیف اسی وقت ہو سکتی ہے جب پہلے کوئی سخت حکم دیا گیا ہو اور وہ حکم یہی تھا کہ رمضان کی راتوں میں بھی روزہ رکھا کرو۔ صرف مغرب کے وقت کھانے پینے کی اجازت تھی۔ لیکن وہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ حکم نازل تو ہوا تھا لیکن قرآن مجید کے ذریعہ نہیں بلکہ حدیث کے ذریعہ۔ لہذا حدیث وحی ہے۔

ایک اور زاویہ سے حدیث کے وحی ہونیکا قرآنی ثبوت

دلیل ۱۲ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ	کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ	کہ اللہ اس سے بات کرے سوائے
يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ	(۱) وحی کے ذریعہ (۲) یا پردہ کے پیچھے سے
مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○	(۳) یا اللہ کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ اللہ
(الشوریٰ - ۵۱)	کے حکم سے اس چیز کی جو اللہ چاہے
	(اس انسان کو) وحی کرے بیشک اللہ
	بلند و بالا، حکمت والا ہے ۔

اس آیت میں کسی رسول یا نبی تک احکام الٰہی پہنچنے کے تین طریقے بیان کیے گئے ہیں ۔

(۱) براہ راست وحی کے ذریعہ

(۲) پردہ کے پیچھے سے براہ راست کلام

(۳) اللہ تعالیٰ کے حکم سے وحی کا فرشتہ کے ذریعہ آنا ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید ان تین قسموں میں سے کونسی وحی ہے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔

(۱) قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ	آپ کہہ دیجئے جبریل کا دشمن کون ہو سکتا
فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ	ہے، (جبریل) وہی ہے جس نے اللہ کے حکم

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ (بقرۃ ۹۷)

سے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔

(۲) وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ○ (شعراء ۱۹۲ تا ۱۹۵)

یہ قرآن رب العالمین نے نازل فرمایا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے کر نازل ہوا ہے۔ آپ کے قلب پر اس کو واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں

آیات بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن وحی کی تیسری قسم ہے۔ اب وحی کی دو قسمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ان کا بھی استعمال ہوا ہوگا۔ اور وہ حدیث کے نزول ہی میں ہو سکتا ہے۔ لہذا حدیث بھی منزل من اللہ وحی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ یہاں یہ شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ ان دونوں اقسام سے وحی نبوت مراد نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت زیر بحث کے بعد ہی دوسری آیت میں اللہ تعالے فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (شوریٰ ۵۲)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم کی وحی کی (اس سے پہلے) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیسا ہوتا ہے۔

وحی کی تینوں اقسام کا ذکر کرنے کے بعد ہی اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اس ہی طرح سے یعنی ان ہی تینوں طریقوں سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے جو ہمارے احکام کی ترجمانی کرتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تینوں اقسامِ وحی سے امرالٰہی نازل ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ قرآن مجید صرف ایک قسم کی وحی ہے لہٰذا باقی اقسامِ وحی سے صرف حدیث نازل ہوئی اور اگر احادیث کو ان اقسامِ وحی میں سے شمار نہیں کیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ بقیہ دو اقسام کی وحی کہاں غائب ہوگئی۔ وہ احکام کہاں گئے۔ کیونکہ ان کا غائب ہونا ناممکن ہے لہٰذا حدیث کو وحی ماننا ناگزیر ہے۔

قرآن مجید کے ایک اور زاویہ سے حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت

دلیل ۱۳

قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ط (صافات ۱۰۲)

ابراہیم علیہ السلام نے کہا "اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ تم کیا کہتے ہو" کہا "اے ابا جان جو حکم آپ کو ملا ہے اُسے کر گذریئے"

ابراہیم علیہ السلام ایک خواب دیکھتے ہیں اور خواب کو حکم الٰہی سمجھ کر اسمٰعیل علیہ السلام سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام بھی یہی سمجھتے ہیں کہ

یہ حکم الٰہی ہے۔ دونوں مقدس ہستیوں نے خواب کو وحی الٰہی سمجھا۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرما کر تائید کر دی جس سے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر جو خواب بھی دیکھے وہ وحی ہے اور امر الٰہی ہے۔ آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کتاب آسمانی کے علاوہ بھی رسول کے پاس وحی آتی ہے۔ یہ ایک خواب تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے دیکھا۔ خواب میں صرف ایک فعل دیکھا تھا، جو حکم دیا جا رہا تھا اس کے الفاظ اللہ تعالےٰ کے پاس سے نازل نہیں ہوئے تھے۔ اگر الفاظ نازل ہوتے تو ابراہیم علیہ السّلام یہ فرماتے کہ مجھے اللہ تعالےٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکمِ الٰہی الفاظ کی صورت میں نازل نہیں ہوا صرف حکمِ الٰہی کا مفہوم تھا جو ابراہیم علیہ السّلام اور اسمٰعیل علیہ السّلام کی سمجھ میں آیا۔ اب اس حکم کے متعلق یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ صحیفہ ابراہیمی میں بھی یہ حکم موجود تھا۔ کیونکہ صحیفۂ ابراہیمی میں موجود ہونے کے لئے الفاظ چاہئیں اور الفاظ نازل نہیں ہوئے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالےٰ کے مفہوم کو ابراہیم علیہ السّلام اپنے الفاظ میں ادا کر کے صحیفۂ آسمانی میں شامل کر دیتے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حکم صحیفہ میں نہیں تھا بلکہ حدیث تھی جو نازل ہوئی تھی۔

نتائج | اس آیت سے دو نتیجے برآمد ہوئے :۔

(۱) صحیفۂ ربّانی کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اسی وحی کو حدیث کہتے ہیں۔

(۲) احادیث کا اگر صرف مفہوم محفوظ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ الفاظ کے محفوظ ہونے پر اصرار کرنا لایعنی ہے۔

انتباہ | اس کا یہ مطلب نہیں کہ احادیث کے الفاظ محفوظ نہیں ہیں۔ صحابۂ

کرام اوران کے بعد تمام محدثین نے اس ہی بات کی کوشش کی ہے کہ الفاظ محفوظ رہیں۔ فنّ حدیث کے تقریبًا تمام شعبے الفاظ حدیث ہی کی حفاظت کے لئے وضع ہوئے ہیں، محدثین نے صرف مفہوم ہی کی حفاظت نہیں کی بلکہ اگرکہیں دو ہم معنی لفظوں میں شبہ ہوا تو دونوں نقل کر دیئے۔ حدیث کے طلبار اس سے بخوبی واقف ہیں۔ محدثین نے باوجود مفہوم جاننے کے اصل الفاظ یاد نہ رہنے پر کسی حدیث کو اپنے الفاظ میں ادا نہیں کیا بلکہ صاف صاف کہدیا کہ فلاں لفظ یاد نہیں یا فلاں بات یاد نہیں۔ مثلاً ایک محدث ایک حدیث میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نماز کے اوقات بیان کرتے ہیں تو چار نمازوں کے اوقات بیان کرتے ہیں اور مغرب کی نماز کا وقت بیان نہیں کرتے اور صاف کہہ دیتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ صحابی نے کن الفاظ میں مغرب کی نماز کا وقت بیان کیا تھا (صحیح بخاری وصحیح مسلم) مغرب کی نماز کا وقت بچّہ بھی جانتا ہے کہ کب ہوتا ہے اور کب نماز پڑھی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے الفاظ میں ادا نہیں کیا۔ حالانکہ اگر وہ ایسا کر دیتے تو کوئی مضائقہ نہ تھا خصوصًا اس وجہ سے بھی کہ وہ الفاظ صحابی کے الفاظ تھے نہ کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن محدثین نے صحابیوں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کی اتنی حفاظت کی، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے الفاظ کی حفاظت کتنی دیانتداری سے کی ہوگی۔ محدّثِ مذکور نے صحابی کے الفاظ یاد نہ ہونے پر مفہوم کو اپنے ہی الفاظ میں ادا نہیں کیا بلکہ اُن الفاظ میں بھی ادا کرنا گوارا نہیں کیا جن الفاظ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نمازِ مغرب ادا کرنے کا وقت

دوسری حدیثوں میں موجود ہے۔ کیا ان کی دیانت داری میں اب بھی کوئی شبہ ہے؟

انتباہ ثانی | کسی محدث کے بھول جانے سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیئے کہ وہ حدیث غیر محفوظ ہوگئی بلکہ دوسری سندوں میں وہی چیز محفوظ مل جاتی ہے۔ ایک ہی حدیث کی اکثر پانچ پانچ دس دس، بیس بیس بلکہ بعض احادیث کی پچاس پچاس سو سو سندیں ہوتی ہیں۔ لہذا حدیث کے الفاظ کا کسی ایک سند میں غیر محفوظ ہو جانا کوئی نقصان نہیں پہنچاتا۔ تمام سندوں کے لحاظ سے متنِ حدیث یا مفہوم حدیث بالکل محفوظ اور یقینی ہو جاتا ہے۔ اس طرح احکام الٰہی کا وہ حصہ جو قرآن کے علاوہ نازل ہوا تھا محفوظ ہو جاتا ہے۔

انتباہ ثالث | جب کسی محدث کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے چھ لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے اپنی کتاب کو تالیف کیا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسناد کے لحاظ سے چھ لاکھ احادیث تھیں اور ان اسنادیں سے جو بہترین سندیں تھیں ان کو اس نے اپنی کتاب میں داخل کیا۔ محدثین کی اصطلاح میں اگر ایک متنِ حدیث سو سندوں سے مروی ہو تو یہ سو حدیثیں کہلائیں گی۔ لہذا کئی لاکھ کی گنتی سے یہ دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے کہ اتنی حدیثیں کہاں سے آگئیں۔ وہ حدیثیں نہیں ہوتیں بلکہ سندیں ہوتی ہیں۔

قرآن مجید کے ایک اور زاویہ سے حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت

دلیل ۱۴ | اللہ تعالٰے فرماتا ہے:

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (نسآء ۱۱۳)	منکرین حدیث کے رہنما پرویز کا ترجمہ: "اللہ نے تم پر کتاب وحکمت نازل کر دی ہے اور وہ باتیں سکھا دی ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ (معارف القرآن ج اول ص ۱۶۳)

آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالے نے کتاب کے علاوہ ایک اور چیز بھی نازل فرمائی تھی اور وہ حدیث ہی ہو سکتی ہے۔ لہذا حدیث وحی ہے۔

منکرین حدیث کی غلط فہمی | منکرین حدیث کہتے ہیں کہ اللہ تعالے نے صرف ایک چیز نازل کی ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔ کتاب وحکمت کے بیچ میں جو واؤ ہے وہ واؤ تفسیری ہے۔ وائے عطف نہیں ہے۔ ان لوگوں کے اس قول کے مطابق آیت کے معنی یہ ہونے چاہئیں۔

"اللہ نے آپ پر کتاب نازل کر دی ہے یعنی حکمت نازل کر دی ہے۔ یعنی وہ باتیں سکھا دی ہیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔"

واؤ کو تفسیری قرار دینے کے بعد تین علوم کو ایک کر دیا گیا اور اس طرح حدیث کے نزول سے انکار کر دیا گیا۔

واؤ کو تفسیری قرار دینے کے بعد جو ترجمہ ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ کیا اس ترجمہ میں کسی قسم کی بلاغت پائی جاتی ہے اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو یہ ترجمہ ہی غلط ہے اور اسی وجہ سے پرویز نے یہ ترجمہ نہیں کیا۔ کلام میں بلاغت پیدا کرنے کے لئے کم از کم ایک واؤ کو وائے عطف ماننا لازمی ہے

اور اگر ایک واؤ کو بھی وائے عطف مان لیا تو پھر کم از کم دو چیزوں کا نزول ثابت ہو جائے گا اور یہی اس بات کا ثبوت ہے کہ حدیث بھی منزّل من اللہ ہے۔

اگر ہم اس جگہ واؤ کو وائے تفسیری ہی مان لیں تو یہ قرآن میں ایک دو جگہ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کتاب کی تفسیر حکمت سے کر دے لیکن جب ایک دو جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر ان دونوں لفظوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا گیا ہو تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر جگہ کتاب کی تفسیر حکمت سے کی گئی ہے۔ کیا ایک مرتبہ تشریح کرنا کافی نہیں تھا۔ قرآن مجید میں مذکورہ بالا آیت کی طرح دوسرے مقامات پر بھی کتاب کے ساتھ لفظ حکمت کو دہرایا گیا ہے۔ کہیں اس کی جگہ لفظ حکم کا ذکر کیا گیا ہے اور کہیں کسی اور مترادف لفظ کو بیان کیا گیا ہے۔

حکمت کے معنی " دانش، عدل۔ کسی چیز کی حقیقت کو دریافت کرنا۔ حُکم کے معنی " دانش۔ حکمت " (منتہی الارب فی لغات العرب) لہٰذا حکمت اور حُکم مترادف لفظ ہوئے۔ اسی طرح میزان جس کے معنی عدل ہوتے ہیں حکمت کے مترادف ہے۔

اب وہ آیتیں ملاحظہ ہوں جن میں حکمت یا حُکم یا میزان وارد ہوا ہے۔

دلیل ۱۵ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا	جیسے کہ ہم نے تم لوگوں میں تم ہی میں سے
مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا	ایک رسول مبعوث فرمایا جو تمہارے
وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ	سامنے ہماری آیتیں تلاوت کرتا ہے،

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (البقرۃ ۱۵۱)

تمہیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تم کو ایسی ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

پرویز نے ترجمہ اس طرح کیا ہے۔:

"تمہیں کتاب وحکمت سکھاتا یعنی وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے"۔ (معارف القرآن جلد اول ص۱۶۳)

گویا پرویز نے بھی پہلی واؤ کے معنی، "یعنی" نہیں کئے اور وہ غالبًا بلاغت کلام کی وجہ سے مجبور تھے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو معنی اس طرح ہو جاتے۔

"وہ تمہیں کتاب کی یعنی حکمت کی تعلیم دیتا ہے یعنی وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے"

اور یہ معنی قطعًا بلاغت کے منافی ہیں۔ لہٰذا کتاب وحکمت دو چیزیں ہیں نہ کہ ایک چیز۔

دلیل ۱۶ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (البقرۃ ۲۳۱)

اور اللہ کی اُس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے اور اس چیز کو بھی یاد کرو جو اللہ نے تم پر کتاب وحکمت میں سے نازل فرمائی ہے۔ اللہ اس (نازل کردہ شریعت) کے ذریعہ

تمہیں نصیحت کرتا ہے، اللہ سے
ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ ہر چیز
سے واقف ہے۔

شبہ "بہ" میں ضمیر واحد استعمال ہوا ہے لہذا کتاب و حکمت ایک
چیز ہونی چاہیئے۔

شبہ کا ازالہ ضمیر کا مرجع "وَمَا اَنْزَلَ" ہے جو واحد ہے لہذا یہ ضمیر کتاب
و حکمت کے دو چیزیں ہونے سے مانع نہیں۔

دلیل ۱۷ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ	اور اللہ تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام کو
وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ	ملک دیا۔ اور حکمت دی اور جو چاہا
(البقرۃ ۲۵۱)	سکھایا۔

اس آیت میں بھی بادشاہت کے علاوہ دو چیزوں کے دیئے جانے کا
ذکر ہے۔ "ایک حکمت" اور "ایک چیز اور"، اگر واؤ کو وائے تفسیری مانا جائے
تو آیت کے معنی یہ ہوں گے۔

"اللہ نے داؤد علیہ السلام کو ملک دیا یعنی حکمت دی یعنی جو چاہا سکھایا"
اور یہ معنی بالکل مضحکہ خیز ہیں۔ لہذا داؤد علیہ السلام کو بھی دو چیزوں کا علم
دیا گیا تھا۔

دلیل ۱۸ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ	"اور اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ○ اور حکمت اور توریت اور انجیل کی تعلیم دے گا۔" (آل عمران ۴۸)

اگر واؤ کو وائے تفسیری مانا جائے تو معنی اس طرح ہوں گے۔" اللہ انہیں کتاب یعنی حکمت یعنی توریت یعنی انجیل کی تعلیم دیگا"۔ ظاہر ہے کہ توریت اور انجیل ایک نہیں بلکہ انجیل ایک مستقل کتاب ہے اور جب عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالےٰ نے کتاب کے علاوہ حکمت بھی سکھائی اور توریت کے علاوہ انجیل کی بھی تعلیم دی تو ثابت ہو گیا کہ تعلیم ایک چیز کی نہیں دی گئی تھی۔ یہ بات بالکل عجیب وغریب ہو گی کہ تین " واؤن " میں سے صرف ایک واؤ کو تفسیری مانا جائے اور باقی دو کو واؤ عطف۔ پھر یہ عجیب وغریب سوال بھی سامنے آتا ہے کہ اگر توریت اور انجیل دونوں کتابیں ہی تھیں تو ایک نبی کو دو کتابیں کیوں دی گئیں۔ کیا ایک ہی کتاب کافی نہیں تھی باوجود اس کے کہ توریت قرآن مجید کی رُو سے ایک مفصل اور کامل کتاب تھی اس میں ہر چیز کا بیان تھا۔ اگر توریت کا کامل اور مفصل ہونا کسی اور وحی کا مانع نہیں تو قرآن مجید باوجود کامل اور مفصل ہونے کے کسی اور وحی کا مانع کیسے ہو سکتا ہے۔؟ (مفصل اور کامل کی بحث آگے آرہی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے)۔

دلیل ۱۹ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ

اور جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت دیدوں ، پھر تمہارے پاس کوئی رسول

لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (آل عمران ۸۱)	آئے جو تمہاری شریعت کی تصدیق کرتا ہو تو تمہیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی ۔

آیت بالا سے واضح ہوا کہ ہر رسول کو اللہ تعالےٰ نے دو چیزیں دیں۔ کتاب اور حکمت۔

دلیل نمبر ۲۰ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (آل عمران ۱۶۴)	تحقیق اللہ تعالےٰ نے مؤمنین پر بڑا احسان کیا کہ ان ہی میں سے ان میں ایک رسولؐ مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیۂ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں بھی دو چیزوں کے دیئے جانے کا ذکر ہے

دلیل نمبر ۲۱ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا	کیا اہلِ کتاب، مسلمین سے اس چیز پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالےٰ نے اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائی۔ تو یقیناً ہم نے (پہلے بھی) آلِ ابراہیم کو کتاب

عَظِیْماً ○ (نسآء ۵۴)

اور حکمت دی تھی اور ان کو ملک عظیم دیا تھا۔

اس آیت میں بھی دو چیزوں کے دیئے جانے کا ذکر ہے۔

دلیل ۲۲ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (مائدہ ۱۱۰)

(اے عیسیٰ) وہ وقت یاد کر جب میں نے تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دی تھی اور توریت اور انجیل کی تعلیم دی تھی۔

عیسیٰ علیہ السلام سے یہ خطاب میدانِ محشر میں ہوگا۔ کیا وہاں بھی اس بات کی ضرورت ہوگی کہ کتاب کی تشریح حکمت سے کر دی جائے مبادا عیسیٰ علیہ السلام یا حاضرینِ محشر کتاب کی غلط تفسیر کر بیٹھیں۔ کیونکہ میدانِ محشر میں تشریح کی ضرورت نہیں لہذا یہ آیت اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کتاب اور حکمت دو چیزیں ہیں۔

دلیل ۲۳ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ (انعام ۸۹)

ان رسولوں کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت دی تھی۔

نوٹ: حکم اور حکمت ہم معنی ہیں جیسا کہ اوپر لغت کے حوالہ سے بتایا جا چکا ہے۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو دو چیزیں دی گئی تھیں۔

دلیل ۲۴ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران ۷۹)

کسی انسان کی یہ مجال نہیں کہ جب اللہ اس کو کتاب اور حکم اور نبوّت دے دے تو وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میرے بھی بندے بن جاؤ۔

اس آیت میں بھی نبوّت کے مرتبہ کے ساتھ دو چیزوں کے دئے جانے کا ذکر ہے۔

دلیل ۲۵ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ (یوسف ۲۲)

اور جب یوسف (علیہ السلام) جوان ہوئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم دیا اور محسنین کو ہم اسی طرح جزاء دیا کرتے ہیں۔

دلیل ۲۶ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ○ (مریم ۱۲)

اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور حکم تو ہم نے ان کو بچپن ہی میں دے دیا تھا۔

یہ حکم آخر کیا چیز تھی جو کتاب سے پہلے دے دی گئی تھی؟ کیا یہ اس بات کا کھلا ثبوت نہیں ہے کہ کتاب اور حکمت علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔

دلیل ۲۷ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَلُوطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء ۷۴) — اور لوط (علیہ السلام) کو ہم نے حکم اور علم دیا تھا۔

اس آیت میں بھی دو چیزیں دیئے جانے کا ذکر ہے۔

دلیل ۲۸ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء ۷۹) — اور سب نبیوں کو ہم نے حکم اور علم دیا۔

دلیل ۲۹ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ فَاِنَّهُمْ

اور (اے رسول) ان سے ابراہیم (علیہ السّلام) کا قصہ بیان کیجئے جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا یہ تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ کہنے لگے ہم بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور انہی کے سامنے بیٹھے رہتے ہیں۔ ابراہیم (علیہ السّلام) نے فرمایا کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں جب تم انہیں پکارتے ہو یا تمہیں نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ کہنے لگے ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا ہے،

عَدُوٌّ لِّيٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ○ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ○ وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ○ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ○ رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ○ وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○

(شعرآء ۶۹ تا ۸۴)

(حضرت) ابراہیم نے فرمایا کیا تم نے دیکھا کہ جن کی تم اور تمہارے باپ دادا عبادت کرتے رہے ہیں یقیناً وہ سب میرے دشمن ہیں سوائے ربّ العالمین کے۔ وہی ہے جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔ وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ اور جب بیمار ہوتا ہوں تو شفا دیتا ہے۔ وہی مجھے موت دیگا پھر زندہ کرے گا۔ اُسی سے امید ہے کہ روزِ حساب میری خطائیں معاف فرمائیگا (پھر ابراہیم علیہ السّلام نے اس طرح دعاء کی) اے میرے ربّ مجھے حُکم عطاء کر، مجھے صالحین کے ساتھ ملا دے اور بعد والوں میں میرا ذکرِ خیر چھوڑ دے۔

ابراہیم علیہ السّلام کا وعظ ملاحظہ فرمائیے اور پھر ان کی پیغمبرانہ دعاء پڑھیے۔ آیاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہ السّلام نبوت اور کتاب ملنے کے بعد دعاء کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے "حُکم" بھی عطاء کر دے یعنی کتاب کی عملی تشریح اور متعلقہ علوم سے بھی مشرف فرما، لہذا ثابت ہوا کہ حکمت، کتاب کے علاوہ کوئی چیز ہے۔

دلیل نمبر ۳۰ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ (جاثیۃ ۱۶)

(منکرین حدیث کے سربراہ پرویز کا ترجمہ) ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (قانون) اور حکمت و نبوت عطا کی تھی۔

(معارف القرآن جلد ۴ صفحہ ۶۴۷)

پرویز کے ترجمہ سے ظاہر ہے کہ کتاب کوئی اور چیز ہے اور حکمت کوئی اور چیز۔ دونوں ایک نہیں۔

دلیل نمبر ۳۱ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ۲۵)

یقیناً ہم نے رسولوں کو معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل فرمایا تھا تاکہ لوگ عدل پر قائم رہیں۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو کتاب کے علاوہ ایک اور چیز دی گئی تھی۔

دلیل نمبر ۳۲ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِیْزَانَ (شوریٰ ۱۷)

اللہ ہی ہے جس نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا اور میزان کو بھی حق کے ساتھ نازل کیا۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی طرف دو چیزیں نازل فرمائی تھیں۔ایک کتاب۔ دوسری میزان یعنی ترازوئے عدل جس کے ذریعہ کتاب کی تشریح کو افراط و تفریط سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (بقرہ ۱۴۳)
اور اسی طرح ہم نے تم کو اعتدال پر رہنے والی امت بنایا۔

الغرض اللہ تعالےٰ نے کتاب کے ساتھ ایک اور چیز نازل فرمائی جس کے ذریعے اہلِ اسلام حدودِ اعتدال سے تجاوز نہ کریں۔ قوانینِ کتاب کو سمجھیں اور اس کو اس اعتدال پر قائم رکھیں جس اعتدال پر رکھنا منشائے الٰہی ہے۔ آیاتِ قرآنیہ کو قیاس و آرار، افکار و نظریات کی بھینٹ نہ چڑھایا جاسکے۔ اسی میزان کو دوسرے لفظوں میں تشریحِ قوانین کہہ لیجئے، کتاب کی عملی تشریح کہہ لیجئے یا احادیث کہہ لیجئے۔ مطلب ظاہر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے احادیث کو ساتھ ہی نازل فرمادیا تاکہ قوانین کو من مانی تاویلات اور آرار فاسدہ سے محفوظ رکھا جاسکے اور امت قانون کی مختلف تعبیریں کرکے فرقہ بندی کی لعنت میں نہ گرفتار ہو جائے اور اسی مفہوم کے لحاظ سے احادیث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن پر قاضی ہیں۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

"احادیث قرآن پر قاضی ہیں" اس کا مطلب بعض لوگوں نے غلط سمجھا اور اس کو اس طرح پیش کیا کہ قرآن بحیثیت مجرم کے احادیث کی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہے۔ اب جو فیصلہ قاضی یعنی حدیث سنائے اس مجرم کو سننا پڑے گا اور اس کے مطابق اس مجرم کے ساتھ

عمل درآمد ہوگا۔" الفاظ کے ہیر پھیر اور مسجع اور مقفّٰی عبارت کے ساتھ اس غلط فہمی کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا کانپ اٹھتا ہے اور ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے حدیث کو قاضی بنایا تھا غلط رائے قائم کرلیتا ہے، حالانکہ بات درحقیقت اتنی ہے کہ" رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند" کے بمصداق شاہی فرمان کا مطلب وزیر اعظم سے زیادہ کون اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ جو شخص بادشاہ کا مصاحبِ خاص ہوتا ہے اور بادشاہ کے مزاج ومنشار سے واقف ہوتا ہے اگر وہ ایسے وقت میں جب کہ عوام الناس شاہی فرمان کو سمجھنے میں غلطی کریں، کوئی کچھ اور کوئی کچھ معنی سمجھے، ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کرے اور فرمان شاہی کا صحیح مفہوم سمجھا دے تو یہ مفہوم درحقیقت ان تمام اختلافات میں فیصلہ کن ہوگا جو اُن لوگوں کے درمیان پیدا ہوگئے تھے۔ یہ ہے حدیث کے قاضی ہونے کا مطلب۔ اس سے قرآن مجید کا ملزم ہونا اور تحقیرِ کلامِ الٰہی کہاں لازم آتی ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ایک مثال ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ صلوٰۃ قائم کرو۔

فرض کیجئے صلوٰۃ کے معنی میں اختلاف ہوتا ہے اور مندرجہ ذیل معانی کئے جاتے ہیں۔

(۱) نماز جو مسلمین میں متعارف ہے۔

(۲) دعار

(۳) تسبیح

(۴) درود

(۵) رحمت

(۶) پریڈ (کراچی میں محمد احمد بٹلا نے یہ ہی معنی کئے ہیں)

(۷) نظامِ ربوبیت (اشتراکیت)۔لاہور کے ایک صاحب نے یہی معنی کئے ہیں اور تجدد پسند حضرات نے اسے پسند کیا ہے۔

(۸) کولہے ہلانا۔یعنی اقیموا الصلوٰۃ کے معنی یہ ہوئے کہ "محفلِ رقص قائم کرو۔"

ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق معنی کرے گا۔صلوٰۃ کی روح فنا ہو جائے گی۔مختلف تعبیروں کی وجہ سے مختلف قسم کے اعمال بلکہ بے دینی پھیلے گی۔افتراق اور اختلاف کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔امّت مختلف فرقوں میں بٹ جائے گی (جیسا کہ تقلید شخصی کی وجہ سے ہو چکا ہے) لہٰذا اس خرابی کا صرف ایک ہی علاج ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ ان آٹھ معانی میں سے وہ معنی صحیح سمجھے لئے جائیں جو خود اس ہستی نے بتائے ہیں جس پر یہ حکم نازل ہوا تھا اور جس پر یہ آٹھ قسم کے معنی کرنے والے ایمان بھی لا چکے ہیں۔اس کی ذات پر متفق بھی ہیں۔اسی ہستی کے قول و فعل سے یہ فیصلہ ہو سکتا ہے کہ صحیح معنی کیا ہیں۔حدیث اس بات کا فیصلہ کرنے والی ہے (یعنی قاضی ہے) کہ ان معانی میں سے کون سے معنی صحیح ہیں۔یہ ہے اس مقولہ کا اصل مفہوم کہ "حدیث قرآن پر قاضی ہے۔"

دلیل ۲۳ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ (جمعۃ ۲)

اللہ ہی ہے جس نے اُمّی لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اللہ کی آیات تلاوت کرتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں بھی دو چیزوں کی تعلیم کا ذکر ہے۔

دلیل ۳۴ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَشَدَدْنَا مُلْکَهٗ وَاٰتَیْنٰهُ الْحِکْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص ۲۰)

اور ہم نے داوٗد کی حکومت کو مضبوط کر دیا تھا اور ہم نے ان کو حکمت دی تھی اور قولِ فیصل دیا تھا۔

گویا داوٗد علیہ السلام کو بھی دو چیزیں عطا ہوئی تھیں۔

دلیل ۳۵ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِکْمَةِ (احزاب ۳۴)

اور اس چیز کا ذکر کیا کرو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہے۔ اللہ کی آیات میں سے اور حکمت میں سے۔

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں دو چیزوں کی تلاوت ہوتی تھی۔ آیات اللہ کی اور حکمت کی۔ لہذا حکمت

قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز تھی۔

حدیث کے وحی ہونے کی معرکتہ الآرا دلیل ۳۶ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کے وقت یہ دعا کی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (البقرۃ ۱۲۹)

اے ہمارے رب ان لوگوں میں انہی میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کو پاک کرے۔ بے شک تو زبردست، حکمت والا ہے۔

اس آیت میں بھی کتاب کے ساتھ لفظ "حکمت" موجود ہے۔ اب اگر اس دعا میں واؤ کو واؤ تفسیری مانا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام نے اس طرح دعا کی کہ "اے اللہ ایسا رسول مبعوث فرما جو لوگوں کو کتاب کی تعلیم دے یعنی حکمت کی تعلیم دے۔" گویا ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام یہ سمجھے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کو بھی تشریح کی ضرورت ہے۔ اگر بات واضح نہیں ہوئی تو غلط فہمی کا اندیشہ ہے اور یہ چیز بالکل لغو ہے۔ نہ اللہ کو تفسیر کی ضرورت ہے، اور نہ اسے غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ نہ ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام ایسا گمان کر سکتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ "واؤ" عطف کا ہے نہ کہ تفسیری۔ لہٰذا نہ صرف اس

آیت میں بلکہ مندرجہ بالا تمام آیتوں میں حکمت سے کتاب کے علاوہ کوئی دوسری چیز مراد ہے۔

خلاصہ | ان تمام آیات بینات سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو چیزیں نازل کیں۔ ایک کتاب، دوسری حکمت اور یہ دوسری چیز سوائے حدیث کے اور کیا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہی وہ دانش ہے۔ یہی وہ عدل و میزان ہے جس کے ذریعے قرآن مجید کی آیات کی حقیقت دریافت کی جاتی ہے۔ حدیث ہی کے ذریعہ قرآن مجید کی آیات میں اعتدال و توازن برقرار رہتا ہے ورنہ ہر فتنہ پرور قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنا لیتا اور قرآن مجید کا مفہوم افراط و تفریط کا شکار ہو جاتا۔ یہی وہ علمی توازن ہے جو حکمت کے لغوی معنوں میں پایا جاتا ہے جو دلیل ۱۴ کے تحت بیان کئے گئے ہیں۔

ایک اور طرز سے

حدیث کے وحی ہونے کا قرآنی ثبوت

انبیاء سابقین پر کتاب کے علاوہ وحی کا نزول

دلیل ۳۷ | آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَ	اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری
زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا	بیوی جنت میں رہو اور خوب بافراغت
رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا	کھاؤ جہاں سے تمہارا جی چاہے

هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ۔ (البقرۃ ۳۵)	لیکن اس درخت کے قریب بھی مت جانا۔
فَاَكَلَا مِنْهَا (طٰہٰ ۱۲۱)	ان دونوں نے اس درخت میں سے کھایا۔
وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى (طٰہٰ ۱۲۱)	آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور بہک گئے۔
فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ ۳۷۔۳۸)	آدمؑ نے اپنے رب سے کچھ کلمات سیکھے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی بے شک وہ توبہ قبول کرنے والا ہے، رحم کرنے والا ہے۔ ہم نے کہا تم سب یہاں سے نیچے جاؤ۔ پھر جب کبھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے تو جو لوگ اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کو نہ خوف ہوگا نہ غم ہوگا۔

آیاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنّت سے اترنے کا حکم دیتے وقت یہ خبر آدم علیہ السّلام کو دی تھی کہ تمہارے پاس میری ہدایت وقتاً فوقتاً آتی رہے گی۔ یعنی کتاب الٰہی نازل ہوتی رہے گی، لیکن یہ خبر اور اس سے پہلے چند کلمات کی تلقین اور اس سے بھی پہلے جنّت میں کھانے کی اجازت

اور ایک خاص درخت میں سے کھانے کی ممانعت، اللہ تعالےٰ نے آدم علیہ السلام کو اس وقت کی تھی جب کہ ان کو کوئی کتاب نہیں ملی تھی۔ کتاب دینے کا ابھی وعدہ ہی کیا جا رہا تھا۔ لیکن باتیں، ہدایات، تحلیل وتحریم کے احکام پہلے سے جاری تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام کے پاس کتاب کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

دلیل ۳۸ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى .... فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ○ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ○ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ..... يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ○ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا

(ہود ۶۹ تا ۷۶)

اور تحقیق ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے .... پھر ہم نے زوجہ ابراہیم (علیہ السلام) کو اسحاق[۴] اور ان کے بعد یعقوب[۴] کی خوشخبری دی۔ (زوجہ محترمہ کہنے لگیں) افسوس! میرے اب بچہ ہوگا حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ فرشتوں نے کہا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو؟ .... (پھر) ابراہیم (علیہ السلام) ہم سے قوم لوط[۴] کے بارے میں جھگڑنے لگے .... (ہم نے) کہا اے ابراہیم[۴] اس سے

اعراض کرو۔

ان آیات میں بعض جگہ اللہ تعالیٰ متکلم ہے اور بعض جگہ فرشتے اور کیونکہ فرشتے اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے لہٰذا فرشتوں کی خوشخبری وغیرہ سب من جانب اللہ وحی تھی۔

مذکورہ بالا مکالمہ کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کتاب الٰہی میں تھا۔ ایسی باتوں سے کتاب الٰہی کو کیا تعلق؟ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کتاب اللہ کے علاوہ کوئی دوسری وحی تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے ابراہیم علیہ السّلام سے بات کر رہے تھے۔

دلیل ۳۹ یوسف علیہ السّلام کے متعلق ارشاد ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ (یوسف ۱۵)

جب یوسف (علیہ السّلام) کے بھائی ان کو لے کر چلے اور سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ ان کو کسی کنویں کی گہرائی میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تم اُن کو اُن کے اس کام کی خبر دو گے اور وہ جانتے نہ ہوں گے۔

یوسف علیہ السّلام ابھی بچے ہیں۔ نبوّت بھی ابھی نہیں ملی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا اور جب یوسف جوان ہوئے تو ہم

وَعِلْمًا (یوسف ۲۲) نے ان کو حکم و علم دیا۔

یوسف علیہ السلام کو جوان ہونے کے بعد نبوّت ملی لیکن نبوّت ملنے سے پہلے اور کتاب الٰہی کے نزول کے قبل اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی میں ان کی طرف وحی بھیجی اور ان کو مطلع کر دیا کہ وہ اُن کے اِس کام سے اُن کو آئندہ زمانہ میں کسی وقت باخبر کریں گے۔ اس آیت میں بھی کتاب کے علاوہ دوسری وحی کا ذکر ہے۔

دلیل نمبر ۴۰ | موسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشادِ گرامی ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی ○ جب موسیٰ آگ کے پاس آئے تو انہیں
...... فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی ○ آواز دی گئی ...... اے موسیٰ سنو
...... وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ جو کچھ وحی کی جا رہی ہے ....
یٰمُوْسٰی ○ (طٰہٰ ۱۱ تا ۱۷) اور اے موسیٰ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (نازعات ۱۷) فرعون کے پاس جاؤ وہ بے شک بہت سرکش ہو گیا ہے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ○ (اعراف ۱۳۶) (جب آلِ فرعون راہ راست پر نہ آئے) تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو دریا میں غرق کر دیا اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور اُن سے غفلت برتتے تھے۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِی الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِیْلًا لِّكُلِّ شَیْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ یَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا (اعراف ۱۴۵)	اور ہم نے موسیٰؑ کے لئے تختیوں پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ تحریر کیا پھر (حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ) اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اپنی قوم کو بھی حکم دو کہ وہ اس کی بہترین باتوں پر عمل کریں۔
وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ (اعراف ۱۵۰)	(بچھڑے کی پوجا پر موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آیا) اور تختیوں کو زمین پر ڈال دیا۔
وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ (اعراف ۱۵۴)	اور جب موسیٰؑ کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو پھر ان تختیوں کو اٹھایا۔
وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا لِّمِیْقَاتِنَا (اعراف ۱۵۵)	اور موسیٰ نے ہمارے پاس مقررہ وقت پر پہنچنے کے لئے اپنی قوم میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا۔
فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ (اعراف ۱۵۵)	پھر جب ان کو زلزلہ نے پکڑ لیا تو موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا اے رب تو ان کو اور مجھکو پہلے ہی ہلاک کر سکتا تھا۔
قَالَ عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ	اللہ نے فرمایا میرا عذاب اسکو پہنچتا

اَشَآءُ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ (اعراف ۱۵۶) ہے جس کو میں پہنچانا چاہتا ہوں اور میری رحمت نے ہر چیز کو اپنے احاطہ میں لے رکھا ہے۔

آیاتِ بالا سے واضح ہوا کہ حضرت موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کتاب الٰہی اس وقت ملی جب وہ وادی سینا میں مقیم تھے۔ اس سے پہلے اللہ نے ان سے باتیں کیں۔ سوال و جواب ہوئے۔ فرعون کی طرف جانے کا حکم ملا۔ فرعون کو تبلیغ کی۔ مقابلہ ہوا۔ کئی قسم کے عذاب میں قوم فرعون کو مبتلا کیا گیا۔ بالآخر فرعون مع اپنی قوم کے دریا میں غرق ہو گیا۔ موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریا کو پار کیا اور وادی سینا میں پہنچے وہاں پہنچکر کتاب الٰہی ملی۔ کتاب الٰہی ملنے کے بعد بچھڑے کی پوجا کا واقعہ پیش آیا۔ پھر ستر آدمیوں کو منتخب کر کے پہاڑ پر لے گئے۔ زلزلہ سے وہ سب لوگ ہلاک ہو گئے۔ موسٰی علیہ السلام نے اللہ تعالٰی سے دعا کی، اللہ تعالٰی نے جواب دیا اور یہ سب کچھ اوپر کی آیات میں موجود ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ موسٰی علیہ السلام کو کتاب الٰہی ملنے سے پہلے بھی وحی آتی رہی اور کتابِ الٰہی ملنے کے بعد بھی وحی آئی۔ گویا موسٰی علیہ السلام کو کتاب الٰہی کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی۔ آیاتِ بالا سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آلِ فرعون نے آیات اللہ کو جھٹلایا تھا اس وجہ سے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے اور یہ آیات کتابِ الٰہی کے ملنے سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ یعنی یہ آیات کتابِ الٰہی کے علاوہ دوسری وحی کے ذریعہ نازل ہوئی تھیں، ہماری اصطلاح میں ان آیات کو

حدیث کہا جاتا ہے۔ گویا فرعون اور آلِ فرعون حدیث کا انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک کئے گئے۔

دلیل ۴۱ زکریا علیہ السلام کے متعلق ارشاد باری ہے۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝

(مریم ۷ تا ۱۰)

اے زکریا ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحیٰ ہوگا اور اس سے قبل اس نام کا کوئی آدمی ہم نے پیدا نہیں کیا۔ زکریاؑ نے کہا اے میرے ربّ لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بہت بوڑھا ہوگیا ہوں؟ کہا اِسی حالت میں ہوگا، تمہارے ربّ نے فرمایا کہ یہ میرے لئے آسان ہے اور میں نے اس سے قبل تمہیں پیدا کیا اور تم کچھ نہیں تھے۔ زکریاؑ نے کہا اے ربّ اس کی کوئی نشانی مقرر کر دیجئے، فرمایا تمہارے لئے نشانی یہ ہے کہ بحالت صحت تین رات تک لوگوں سے بات نہ کرو۔

یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مندرجہ بالا مکالمہ قطعاً کتاب الٰہی

میں نہیں تھا اور نہ اس قسم کی باتیں کتابِ قوانین کے مناسب ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ زکریا علیہ السلام کے پاس بھی کتاب الٰہی کے علاوہ وحی آیا کرتی تھی۔

خلاصہ | مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے پاس کتاب الٰہی کے علاوہ بھی وحی آتی رہی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کتابِ الٰہی کے علاوہ وحی نہ آتی ہو۔

قرآن مجید کے ایک اور طرز سے حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت

غیر انبیاء کے پاس وحی کا آنا

دلیل ۴۲ | حضرت مریم کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰکِ وَطَہَّرَکِ وَاصْطَفٰکِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ○ (آل عمران ۴۲)

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم! اللہ نے تم کو منتخب کر لیا ہے اور تم کو پاک کر دیا ہے اور تم کو دُنیا کی عورتوں میں سے منتخب کر لیا ہے۔

وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا ○ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِھِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ○

اور اس کتاب میں مریم کا بھی ذکر کیجئے، جب وہ اپنے خاندان سے علیحدہ ہو کر مشرقی مکان میں چلی گئیں اور ان لوگوں سے پردہ کر لیا تو ہم نے ان کی طرف اپنے فرشتہ کو بھیجا جو اُن

قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ○ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ○ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ○

(مریم ۱۶ تا ۲۱)

کے سامنے خوبصورت انسانی شکل میں ظاہر ہوا۔ وہ کہنے لگیں میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ طلب کرتی ہوں، اگر تو پرہیزگار ہے۔ فرشتہ نے کہا میں تمہارے ربّ کا فرستادہ ہوں تاکہ تمہیں پاک لڑکا دوں۔ مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، حالانکہ مجھے کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتہ نے کہا اسی حالت میں ہوگا تمہارے ربّ نے کہا ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے اور یہ اس لئے کیا جا رہا ہے کہ ہم اُس بچّہ کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنائیں اور وہ ہماری طرف سے رحمت بھی ہو اور اس کام کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

دلیل ۴۳ | موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق ارشاد ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ

اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کے پاس وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ۔ پھر

فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَ جَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ (قصص ۷)

جب تمہیں اس کے بارے میں اندیشہ ہو تو اس کو دریا میں ڈال دینا اور نہ ڈرنا، نہ غمگین ہونا، ہم اس کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے اور اس کو رسول بنائیں گے۔

خلاصہ آیاتِ بالا سے واضح ہوا کہ حضرت مریم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ کے پاس وحی آتی تھی۔ حالانکہ وہ نبیّہ نہیں تھیں اور جب غیر انبیاء کے پاس کتاب کے علاوہ وحی آسکتی ہے تو اس میں کیا تعجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علاوہ قرآن کے وحی آئے۔

قرآن مجید کے ایک اور طرز سے حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت

نطق رسول

دلیل ۴۴ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ۝ (نجم ۳ تا ۴)

رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا اُس کی بات (اور کچھ) نہیں مگر وحی جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وحی ہوتی تھی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ منکرین حدیث کے سربراہ پرویز نے ان آیات کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :۔

"رسول اپنی خواہش نفس سے باتیں نہیں کرتا مگر قرآن وہ وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے "(مزاج شناس رسول ص۱۲۶)

اوّل تو اس ترجمہ سے ظاہر ہے کہ عبارت میں نہ توازن ہے نہ بلاغت وسلاست ۔اہل زبان اسے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ ایسا غیر فصیح وغیر بلیغ کلام اللہ تعالےٰ کا نہیں ہوسکتا۔ دوسری بات یہ کہ "ھُو" کا مرجع قرآن کو قرار دینا صحیح نہیں، اس لئے کہ ان آیات سے پہلے کہیں قرآن کا لفظ نہیں آیا۔ یہ آیات سورۂ نجم کی تیسری اور چوتھی آیتیں ہیں پہلی اور دوسری آیات یہ ہیں ۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ○ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰی ○ (نجم ۱، ۲)

تارے کی قسم جب وہ غروب ہونے لگے ، تمہارا صاحب یعنی رسول نہ گمراہوا نہ بہکا۔

کیونکہ ان آیات میں کہیں لفظ قرآن نہیں ہے لہذا "ھُوَ" کا مرجع قرآن مجید کو قرار دینا صحیح نہیں ۔ دراصل ھُوَ کا مرجع تیسری آیت میں ہے یعنی

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ رسول کا بولنا اپنی خواہش سے نہیں ہوتا۔

اسی نُطقِ رسول کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے فرمایا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی ○ وہ اور کچھ نہیں ہوتا مگر وحی جو بھیجی

جاتی ہے۔

یعنی نطقِ رسول وحی ہے اور کچھ نہیں، اتنی واضح بات کو تسلیم نہ کرنا بڑی زیادتی ہے۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ دوسرا شبہ اس پر یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر رسول کی ہر بات وحی ہے تو پھر یہ کہا جائے گا کہ رسولؐ نے جو بات کی وہ وحی تھی حالانکہ گفتگو میں ہر قسم کی باتیں ہوا کرتی ہیں اور ہر بات کا وحی ہونا قرینِ قیاس نہیں ہے۔ اس شبہ کا جواب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ	تم اپنے دنیا کے معاملات کو خود ہی بہتر
اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ	جانتے ہو (اس معاملہ میں) میں بھی
اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ دِیْنِکُمْ	ایک انسان ہوں لیکن جب میں
فَخُذُوْا بِہٖ۔ (صحیح مسلم کتاب	دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اسکی
فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم)	تعمیل کیا کرو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دینی معاملات میں آپ کی حیثیت بشر کی سی نہیں ہے۔ آپ رسول کی حیثیت سے اُمّت کو خطاب کرتے ہیں اور جو بھی دینی حکم آپ دیتے ہیں وہ وحی ہوتا ہے۔

مزید توضیح کے لئے ایک حدیث اور ملاحظہ فرمایئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اِذَا حَدَّثْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ اَمْرِ	جب میں تمہارے دین کے متعلق

دِیۡنِکُمۡ فَخُذُوۡا بِہٖ وَاِذَا حَدَّثۡتُکُمۡ مِنۡ دُنۡیَاکُمۡ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ (صحیح ابن حبان عن رافع بن خدیج جزء اوّل صـ۲۲)

کوئی بات کہوں تو اس کو پکڑ لیا کرو (یعنی اس کی تعمیل کیا کرو) اور جب میں تم سے تمہارے دنیوی معاملات کے سلسلے میں کوئی بات کہوں تو پھر میں ایک انسان ہی ہوں۔

خلاصہ | احادیث بالا سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ دینی معاملات میں جو کچھ آپ بولتے تھے وہ وحی ہوتی تھی۔ دنیوی معاملات اس سے خارج تھے۔

دلیل ۴۵ | اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔

مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰہَ (نساء ۸۰)

جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی۔

رسول کے احکام کی اطاعت دراصل اللہ کی اطاعت ہے۔ گویا رسول کے تمام احکام درحقیقت اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں۔ رسول کے احکام وہ بھی ہیں جو قرآن کے الفاظ میں آپ نے دیئے اور وہ احکام بھی ہیں جو قرآن کے احکام کے علاوہ آپؐ نے دیئے اور جن کا تذکرہ احادیث میں ہے اور جب احادیث کے احکام بھی اللہ تعالٰے ہی کے احکام ہیں تو سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ احکام بھی من جانب اللہ نازل شدہ ہیں۔ غرض یہ کہ احادیث وحی ہیں۔

حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت احادیث سے

احادیث سے اگر اس بات کا ثبوت دیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کے پاس قرآن کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی تو بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لہذا مشتے نمونہ از خروارے چند احادیث پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

دلیل ۴۶ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

أَتَانِي اللَّيْلَةَ آتٍ مِنْ رَبِّي فَقَالَ صَلِّ فِي هٰذَا الْوَادِ الْمُبَارَكِ وَقُلْ عُمْرَةٌ فِي حَجَّةٍ (صحیح بخاری)

آج رات کو میرے پاس، میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور کہا اس مبارک وادی میں نماز ادا کرو اور یہ اعلان کر دو کہ عمرہ حج میں داخل ہو گیا ہے۔

نتیجہ | عبارت "قل عمرة فی حجۃ" قرآن میں نہیں ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ دینی احکام قرآن کے علاوہ بھی نازل ہوا کرتے تھے۔

دلیل ۴۷ | (۲) ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس طرح کہا۔

أَسْأَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ قَبْلَكَ أَللّٰهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ

میں آپ سے آپ کے رب کی اور آپ سے پہلے کے لوگوں کے رب کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ نَعَمْ — اللہ کی قسم ہاں۔

پھر وہ کہتا ہے۔

اَنْشُدُكَ بِاللّٰہِ آللّٰہُ اَمَرَكَ اَنْ نُصَلِّيَ الصَّلٰوتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ — میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ ہم دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھا کریں۔

آپؐ نے جواب دیا۔

اَللّٰھُمَّ نَعَمْ (صحیح بخاری) — اللہ کی قسم ہاں۔

پانچ وقت کی نمازوں کا ذکر قرآن میں کہیں نہیں لہذا یہ حکم آپ کو قرآن کے علاوہ کسی اور ذریعہ سے دیا گیا اور وہ ذریعہ حدیث ہے۔ یعنی حدیث وحی ہے۔

منکرین حدیث کے سربراہ کا اعتراض "یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم ایک مختصر سی کتاب ہے جو حضور کی تیئس سالہ نبوت کی زندگی میں جزءاً جزءاً نازل ہوتا رہا۔ اس سے واضح ہے کہ نبی اکرمؐ پر ہر وقت وحی نازل نہیں ہوا کرتی تھی۔ خود روایات بتاتی ہیں کہ جب وحی نازل ہوا کرتی تھی تو اس وقت حضور پر ایک خاص کیفیت طاری ہوا کرتی تھی۔ جو وحی ختم ہونے کے بعد باقی نہیں رہا کرتی تھی" (مزاج شناس رسولؐ صـ۱۷۱)

جواب قرآن مجید کے ایک مختصر سی کتاب ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ قرآن کے علاوہ وحی نہیں آیا کرتی تھی۔ یہ عجیب وغریب دلیل ہے

کہ کیونکہ قرآن جزءاً جزءاً نازل ہوا ہے لہذا حدیث نازل نہیں ہوئی۔

۲۔ موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر جب اللہ تعالیٰ کی باتیں ہوا کرتی تھیں تو کیا موسیٰ علیہ السلام پر کوئی خاص کیفیت طاری ہوا کرتی تھی؟ کیا وحی کی صرف ایک ہی قسم ہے کہ جب تک اس کا ثبوت نہ ہو، حدیث وحی نہیں ہوگی۔ وحی کی کئی قسمیں ہیں جو سورۂ شوریٰ کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکی ہیں، لہذا ہوسکتا ہے کہ حدیث ان میں سے کسی اور قسم کی وحی کے ذریعہ نازل ہوئی ہو اور وہ خاص قسم کی کیفیت آپؐ پر طاری نہ ہوئی ہو۔

یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت وحی نازل نہیں ہوتی تھی۔ یہ کون کہتا ہے کہ چوبیس گھنٹہ ہر آن و ہر وقت آپ پر وحی نازل ہوا کرتی تھی، لیکن یہ صحیح نہیں کہ حدیث کے نزول کے وقت وہ خاص کیفیت کبھی طاری نہیں ہوئی۔ ہوئی اور ضرور ہوئی۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

دلیل ۴۸

اِنَّ یَعْلٰی قَالَ لِعُمَرَ اَرِنِی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ یُوْحٰی اِلَیْہِ قَالَ فَبَیْنَمَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْجِعْرَانَۃِ وَمَعَہٗ نَفَرٌ مِّنْ اَصْحَابِہٖ جَآءَہٗ رَجُلٌ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ تَرٰی فِیْ رَجُلٍ اَحْرَمَ

حضرت یعلیٰؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی حالت میں دکھلائیے کہ جب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ پس اس حال میں کہ آپؐ جعرانہ میں تھے اور آپ کے ساتھ چند افراد تھے، ایک شخص آیا اور کہا اے اللہ کے رسولؐ آپ

بِعُمْرَةٍ وَهُوَ مُتَضَمِّخٌ بِطِيْبٍ
فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
سَاعَةً فَجَاءَهُ الْوَحْيُ فَاَشَارَ
عُمَرُ اِلٰى يَعْلٰى فَجَآءَ يَعْلٰى وَعَلٰى
رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثَوْبٌ قَدْ اُظِلَّ بِهٖ فَاَدْخَلَ رَاْسَهٗ
فَاِذَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مُحْمَرُّ الْوَجْهِ وَهُوَ
يَغِطُّ ثُمَّ سُرِّيَ عَنْهُ فَقَالَ اَيْنَ
الَّذِيْ سَاَلَ عَنِ الْعُمْرَةِ فَاُتِيَ
بِرَجُلٍ فَقَالَ اغْسِلِ الطِّيْبَ الَّذِيْ
بِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَانْزِعْ عَنْكَ
الْجُبَّةَ وَاصْنَعْ فِيْ عُمْرَتِكَ
كَمَا تَصْنَعُ فِيْ حَجَّتِكَ۔
(صحیح بخاری کتاب الحج)

اس شخص کے متعلق کیا فرماتے
ہیں جس نے عمرہ کا احرام باندھ
رکھا ہو اور خوشبو کی مہک
اس کے جسم سے آرہی ہو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کچھ دیر خاموش رہے اور وحی
آنی شروع ہو گئی۔ حضرت
عمرؓ نے یعلیٰ کی طرف اشارہ کیا۔ یعلےٰ
آئے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر ایک کپڑے کا سایہ کر دیا
گیا تھا۔ حضرت یعلیٰؓ نے اپنا سر کپڑے
کے اندر داخل کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ
آپؐ کا چہرہ سرخ ہے اور آپؐ لمبے
لمبے سانس لے رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد
وہ کیفیت دور ہو گئی اور آپؐ نے فرمایا
عمرہ کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے؟
وہ شخص لایا گیا۔ آپ نے فرمایا جو خوشبو
تمہارے (جسم) پر لگی ہوئی ہو اس کو
تین مرتبہ دھو ڈالو۔ جبہ اتار دو اور پھر

اپنے عمرہ میں وہی کرو جو اپنے حج میں
کرتے ہو۔

یہ مسئلہ قرآن میں کہیں نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ نزولِ حدیث کے وقت بھی وہی خاص کیفیت طاری ہوتی تھی جو نزولِ قرآن کے وقت ہوا کرتی تھی۔

دلیل ۳۹ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

إِنَّ مِمَّا أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِيْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَوَيَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .... فَرَأَيْنَا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ فَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ وَكَأَنَّهُ حَمِدَهُ فَقَالَ إِنَّهُ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَ إِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيْعُ يَقْتُلُ أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرَاءِ أَكَلَتْ حَتّٰى إِذَا امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ

میں اپنے بعد تمہارے لیے جن چیزوں کا خوف رکھتا ہوں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم پر دنیا کی زیب و زینت کے دروازے کھول دیے جائیں گے ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا خیر بھی برائی لاتی ہے۔؟ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے....... ہم (یعنی صحابہؓ) نے دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ پھر آپ نے پسینہ پونچھا اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ گویا کہ آپ نے اس کو اچھا سمجھا۔ پھر فرمایا بے شک خیر برائی کو نہیں لاتی اور بے شک ربیع کی فصل جو گھاس

وَ بَالَتْ وَ رَتَعَتْ وَ اِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَنِعْمَ صَاحِبُ الْمُسْلِمِ مَا اَعْطٰى مِنْهُ الْمِسْكِيْنَ وَالْيَتِيْمَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ...... وَ اِنَّهٗ مَنْ يَاْخُذُهٗ بِغَيْرِ حَقِّهٖ كَالَّذِيْ يَاْكُلُ وَ لَا يَشْبَعُ وَ يَكُوْنُ شَهِيْدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ)

اگاتی ہے اس کے کھانے سے بعض جانور ہلاک یا بیمار ہو جاتے ہیں مگر ہاں وہ جانور جو گھاس اتنی کھاتا ہے کہ جب اس کی کوکھیں بھر جاتی ہیں تو دھوپ میں کھڑا ہو جاتا ہے پھر لید کرتا ہے، پیشاب کرتا ہے اور پھر کھانے لگتا ہے اور یہ مال تو میٹھی سبزی ہے پس کتنا اچھا ہے وہ مسلم جو اپنے مال میں سے مسکین، یتیم اور مسافر کو دیتا ہے...... اور جو شخص اس مال کو بغیر حق کے لے گا وہ ایسا ہے کہ کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا اور یہ مال قیامت کے دن اس پر گواہ ہوگا۔

دلیل ۵۰: فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے ساتھ بطور تالیف قلوب کے شفقت کا برتاؤ کیا تو انصار نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا۔

"اَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِيْ قَرْيَتِهٖ وَرَاْفَةٌ بِعَشِيْرَتِهٖ"

آپ کو اپنی بستی سے رغبت ہو گئی ہے اور اپنے خاندان والوں سے شفقت کا برتاؤ کر رہے ہیں۔

قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ وَجَآءَ الْوَحْيُ
وَكَانَ اِذَا جَآءَ الْوَحْيُ لَا يَخْفٰى
عَلَيْنَا فَاِذَا جَآءَ فَلَيْسَ اَحَدٌ
يَرْفَعُ طَرْفَهٗ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى يَنْقَضِيَ
الْوَحْيُ فَلَمَّا انْقَضَى الْوَحْيُ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَامَعْشَرَ الْاَنْصَارِ قَالُوْا لَبَّيْكَ
يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُمْ اَمَّا
الرَّجُلُ فَاَدْرَكَتْهُ رَغْبَةٌ فِيْ
قَرْيَتِهٖ قَالُوْا قَدْ كَانَ ذَاكَ قَالَ
كَلَّا اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ
هَاجَرْتُ اِلَى اللّٰهِ وَاِلَيْكُمْ وَ
الْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ
مَمَاتُكُمْ فَاَقْبَلُوْا اِلَيْهِ يَبْكُوْنَ
وَيَقُوْلُوْنَ وَاللّٰهِ مَاقُلْنَا الَّذِيْ
قُلْنَا اِلَّا الضِّنَّ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

ابوہریرہ کہتے ہیں اسی وقت وحی آنی
شروع ہوگئی اور جب وحی آتی تھی تو
وحی کی آمد ہم سے پوشیدہ نہ رہتی تھی۔
پس جب وحی آتی تو ہم میں سے کوئی
آپ کی طرف نظر نہ کرتا تھا یہاں تک
کہ وحی ختم نہ ہو جائے۔ پس جب وحی
آنی ختم ہوگئی تو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ انصار
انہوں نے کہا لبیک یا رسول اللہ۔
فرمایا کیا تم نے کہا تھا کہ مجھے اپنی بستی
کی طرف رغبت ہوگئی ہے۔ عرض کیا
ایسا ہوا ہے۔ فرمایا۔ خبردار، میں اللہ
کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں
نے اللہ کی طرف اور تمہاری طرف
ہجرت کی ہے۔ میرا جینا تمہارا جینا ہے
اور میری موت تمہاری موت ہے۔
(یعنی میرا مرنا جینا تمہارے ساتھ
ہے) پس وہ روتے ہوئے آپ کے
سامنے آئے اور کہنے لگے ہم نے جو

يُصَدِّقَانِكُمْ وَيَعْذِرَانِكُمْ ۔

(صحیح مسلم جلد دوم باب فتح مکہ)

کچھ کہا ہے وہ محض اللہ اور اس کے رسول کی حرص اور محبت میں کہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ اور اس کا رسول تمہاری تصدیق کرتا ہے اور تمہاری معذرت قبول کرتا ہے۔

نتیجہ ان احادیث سے ظاہر ہوا کہ وہی خاص کیفیت جو قرآنی وحی کے نزول کے وقت ہوا کرتی تھی، حدیث کے نزول کے وقت بھی ہوا کرتی تھی۔ جو باتیں ان احادیث میں بیان ہوئی ہیں وہ قرآن میں نہیں ہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے۔

پہلی حدیث میں عمرہ کے دوران خوشبو کی مہک آنے کا مسئلہ پوچھا گیا۔ جواب میں وحی آئی۔ گویا قوانینِ شرعیہ کا نزول قرآن کے علاوہ بھی ہوتا تھا۔

دوسری حدیث میں ایک شخص نے نیک نیتی سے ایک سوال کیا اس سوال کا جواب بھی بذریعہ وحی نازل ہوا۔

تیسری حدیث میں انصار کے گلے وشکوے کا جواب بھی بذریعہ وحی نازل ہوا۔

گویا احادیث کے ذریعہ قرآنی تشریحات بھی نازل ہوتی تھیں، حکمت کی باتیں بھی نازل ہوتی تھیں اور ان کے علاوہ سوالوں کے جوابات، غیب کی خبریں وغیرہ بھی نازل ہوتی تھیں۔

خلاصہ غرض یہ کہ صدہا احادیث ہیں جو اس بات کا قطعی ثبوت مہیّا کرتی ہیں کہ حدیث بھی بذریعہ وحی نازل ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر ہم نے صرف پانچ کا تذکرہ اوپر کیا ہے۔ اگر ایسی احادیث کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت صحابہ کرامؓ سے

دلیل ۵۱ حضرت انسؓ کہتے ہیں۔

اِنَّ اَبَا بَکْرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کَتَبَ لَہٗ ھٰذَا الْکِتَابَ لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی الْبَحْرَیْنِ۔	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب انہیں بحرین کا تحصیلدار بنا کر بھیجا تو ان کو یہ کتاب لکھ کر دی تھی۔
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھٰذِہٖ فَرِیْضَۃُ الصَّدَقَۃِ الَّتِیْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ وَالَّتِیْ اَمَرَ اللّٰہُ بِہَا رَسُوْلَہٗ فَمَنْ سُئِلَہَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ عَلٰی وَجْہِہَا فَلْیُعْطِہَا وَمَنْ سُئِلَ فَوْقَہَا فَلَا یُعْطِ، فِیْ اَرْبَعٍ وَّ عِشْرِیْنَ مِنَ الْاِبِلِ فَمَا دُوْنَہَا مِنَ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : یہ صدقات کے وہ فرائض ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمین پر فرض کئے ہیں اور اسی کا اللہ نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا پس جس سے اس کے مطابق مانگا جائے تو وہ دے دے اور جس سے اس سے زائد مانگا جائے تو وہ نہ دے۔ چوبیس یا چوبیس سے کم اونٹوں میں ہر پانچ اونٹوں پر ایک

اَلْغَنَمِ مِنْ کُلِّ خَمْسٍ شَاۃٌ ۔ بکری زکوٰۃ میں دی جائے وغیرہ وغیرہ۔

(صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ)

اس حدیث میں زکوٰۃ کی شرح کا مفصّل بیان ہے اور یہ بڑی لمبی حدیث ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی تحریر کے مطابق یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق مقرر فرمایا تھا۔ کیونکہ ان تمام شرحوں کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے، لہذا ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ قرآن کے علاوہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے پاس احکام الٰہی آیا کرتے تھے اور کیونکہ یہ کتاب تمام صحابہؓ کی موجودگی میں لکھی گئی، ممالک اسلامیہ میں اس پر عمل ہوتا رہا اور کسی صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا، لہذا ثابت ہوا کہ اس عقیدہ میں تمام صحابہؓ متفق تھے کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آتی تھی اور اس وحی کے ذریعہ یہ احکام زکوٰۃ اللہ تعالےٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمائے تھے۔ صحابہ کرام کے اس متفقہ عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھنا سراسر اسلام کے منافی ہے۔

دلیل ۵۲ یعلےٰ ابن امیّہ کہتے ہیں :۔

قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَقَدْ اَمِنَ النَّاسُ فَقَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ

میں نے حضرت عمرؓ سے پوچھا کہ اللہ تعالےٰ تو قرآن میں فرماتا ہے کہ "تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نمازیں کمی کرو جب تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے"۔ لیکن

مِنْهُ فَسَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ صَدَقَۃٌ تَصَدَّقَ اللّٰہُ بِھَا عَلَیْکُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَہٗ ۔

(صحیح مسلم باب صلاۃ المسافرین)

اب تو بالکل امن ہے (اب بحالتِ سفر نماز میں قصر کیوں کیا جائے)۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جس چیز سے تمہیں تعجب ہوا مجھے بھی ہوا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا یہ اللہ کا احسان ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے لہذا تم اللہ کے احسان کو قبول کرو۔ (یعنی امن کے سفر میں بھی قصر کیا کرو)۔

امن کی حالت میں قصر کرنا بظاہر قرآن مجید کے خلاف ہے لیکن حضرت عمرؓ بغیر چوں وچرا اسے تسلیم کرتے ہیں اور تسلیم ہی نہیں کرتے بلکہ اس "خلاف قرآن" حدیث کی تبلیغ بھی کرتے ہیں اور اس کو بھی اللہ کا احسان سمجھتے ہوئے اللہ کی طرف سے نازل شدہ سمجھتے ہیں۔

یہ حدیث بظاہر قرآن کے خلاف ہے لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ قرآن میں بحالتِ خوف قصر کی اجازت ہے۔ حدیث میں بحالت سفر قصر کی اجازت ہے۔ دونوں علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔ یہ تضاد کی صورت نہیں ہے۔

دلیل ۵۳ حضرت عمرؓ نے خطبہ میں فرمایا :۔

اَخْشٰی اِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ اَنْ یَقُوْلَ قَائِلٌ وَاللّٰہِ مَا نَجِدُ

میں ڈرتا ہوں کہ کہیں امتداد زمانہ کے باعث کوئی کہنے والا یہ نہ کہے

اٰيَةَ الرَّجْمِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ وَالرَّجْمُ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اُحْصِنَ۔ (صحیح بخاری کتاب المحاربین وصحیح مسلم باب رجم الثیب)

کہ اللہ کی قسم ہم اللہ کی کتاب میں رجم کا حکم نہیں پاتے پس لوگ اللہ کے نازل کردہ فریضہ کو چھوڑ کر گمراہ ہو جائیں اور بے شک رجم کی سزا کتاب اللہ میں ثابت ہے۔ اس شخص کے لئے جو شادی شدہ ہو کر زنا کرے۔

سنگسار کی سزا قرآن مجید میں نہیں ہے بلکہ بظاہر قرآن مجید کے خلاف ہے، باینہمہ حضرت عمر رضؓ سنگسار کی سزا کو منزل من اللہ مانتے ہیں اور تمام صحابہ رضؓ اس پر خاموش ہیں۔ گویا ان کا متفقہ عقیدہ تھا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی اللہ کی طرف سے احکام نازل ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت عمر رضؓ نے حدیث کو بھی کتاب اللہ کہا اور تمام صحابہ رضؓ نے اس سے اتفاق کیا۔ پس ثابت ہوا کہ تمام صحابہ رضؓ کرام رجم کی سزا کو حق سمجھتے تھے اور نہ صرف وقتی طور پر بلکہ قیامت تک کے لئے اس کو حق سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ سزا کسی زمانہ میں منسوخ نہیں ہو سکتی، گویا تمام صحابہ کا متفقہ عقیدہ تھا کہ حدیث قیامت تک کے لئے حجّت ہے نہ کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تک جیسا کہ منکرین حدیث کا خیال ہے۔

خلاصہ غرض یہ کہ اس قسم کی سینکڑوں روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضؓ احادیث کو منزل من اللہ یعنی وحی سمجھتے تھے۔

اخبارِ مستقبلہ کی صحت سے حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت

دلیل ۵۴ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَخْرُجَ	قیامت نہیں آئے گی جب تک
نَارٌ مِنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِیْئُ	حجاز میں ایسی آگ نمایاں نہ ہو جو
اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰی۔	بُصریٰ کے اونٹوں پر اپنی روشنی
(صحیح بخاری کتاب الفتن وصحیح مسلم)	ڈالے گی۔

اس پیشین گوئی کا ظہور جمادی الثانی ۶۵۴ھ کو ہوا۔ گو ابنِ عینی نے اس آگ کے متعلق (جس کی ابتداء پہاڑ کی آتش فشانی سے ہوئی) جداگانہ کتابیں تحریر کی ہیں۔ شیخ صفی الدین مدرس مدرسہ بُصریٰ کی شہادت موجود ہے کہ جس روز اس آگ کا ظہور حجاز میں ہوا، اسی شب بصریٰ کے بدوؤں نے آگ کی روشنی میں اپنے اپنے اونٹوں کو دیکھا اور شناخت کیا۔ (رحمۃ للعالمین جلد ۳ صہ ۱۹۸)

مستقبل میں ہونے والے واقعات کا علم کسی رسول کو کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ تو کہا نہیں جا سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم عالم الغیب تھے۔ لہذا یہ ماننا پڑیگا کہ آپ کے پاس زمانہ مستقبل کے متعلق وحی آئی تھی۔

دلیل ۵۵ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

اِنَّکُمْ سَتَفْتَحُوْنَ اَرْضًا یُذْکَرُ	عنقریب تم اس ملک کو فتح کرو گے
فِیْھَا الْقِیْرَاطُ فَاسْتَوْصُوْا بِاَھْلِھَا	جہاں قیراط چلتا ہے، تم وہاں کے

خَیْرًا فَاِنَّ لَھُمْ ذِمَّۃً وَّرَحِمًا فَاِذَا رَأَیْتُمْ رَجُلَیْنِ یَقْتَتِلَانِ عَلٰی مَوْضِعِ لَبِنَۃٍ فَاخْرُجْ مِنْھَا۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل)

لوگوں سے بھلائی کرنا کیونکہ ان کو (اللہ تعالیٰ کے) ذمہ اور رشتہ کے حقوق حاصل ہیں۔ پھر جب تم دیکھو کہ دو شخص ایک اینٹ کے برابر زمین پر جھگڑ رہے ہیں تو (اے ابو ذرؓ) وہاں سے چلے آنا۔

حضرت ابو ذرؓ نے فتح مصر کو بھی دیکھا اور وہاں بود و باش بھی اختیار کی (رحمۃ للعالمین) اور یہ بھی دیکھا کہ ربیعہ اور عبدالرحمٰن بن شرحبیل اینٹ کے برابر زمین کے لئے جھگڑ رہے ہیں تو یہ وہاں سے چلے آئے (صحیح مسلم)۔ بیہقی و ابو نعیم کی حدیث میں ملک مصر کا نام صراحتہً ذکر کیا گیا ہے۔ (رحمۃ للعالمین جلد سوم ص ۱۹۵)

دلیل ۵۷ | سات سو برس پہلے کی پیشین گوئی۔

طبرانی اور ابو نعیم نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُتْرُکُوا التُّرْکَ مَا تَرَکُوْکُمْ فَاِنَّھُمْ اَوَّلُ مَنْ یَسْلُبُ اُمَّتِیْ مُلْکَھُمْ۔ (رحمۃ للعالمین جلد سوم ص ۱۹۹)

ترکوں کو نہ چھیڑنا جب تک وہ تم کو چھیڑیں کیونکہ یہی وہ قوم ہے جو سب سے پہلے میری امت سے ملک چھینے گی۔

یہ پیشین گوئی بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔

خلاصہ ان پیشین گوئیوں کا حرف بہ حرف پورا ہونا اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان واقعات کی خبر بذریعہ وحی دی گئی تھی۔ لہذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔

اس قسم کی بہت سی پیشین گوئیاں ہیں جن میں سے بعض عہد رسالت ہیں پوری ہوئیں اور بعض عہد رسالت کے بعد پوری ہوئیں۔ ہم نے بطور نمونہ صرف چند پیشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے۔

حدیث کے وحی ہونے کے بیشمار دلائل

ان بے شمار دلائل کی موجودگی میں بھی کیا حدیث کے وحی ہونے کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ دلیل تو ایک ہی کافی ہوتی ہے، لیکن جب دلائل کا اتنا انبار لگ جائے تو پھر قطعی یقین ہی نہیں بلکہ اطمینانِ قلبی بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کے وحی ہونے کا عقیدہ مسلمین میں متواتر ہے اور حدیث کے وحی ہونے کا انکار کرنا گویا تواتر کا انکار کرنا ہے۔ پھر سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت قرآن مجید کی متعدد آیات سے ملتا ہے اور قرآن مجید کی ہر آیت متواتر ہے۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت متواترات سے بتواتر ثابت ہے۔ نورٌ علی نور۔ یھدی اللہ لنورہ من یشآء۔

بابِ دوم

حدیث حجّت شرعیّہ اور ماخذِ قانون ہے

حجّت ، دلیل کو کہتے ہیں اور حجّت شرعیہ اس دلیل کو کہتے ہیں جس کی بنیاد پر شرعی اُمور یعنی دینی معاملات کا فیصلہ کیا جائے۔

شریعتِ اسلامیہ صدہا قوانین پر مشتمل ہے، یہ تمام قوانین قرآن مجید اور حدیث نبوی سے نکلتے ہیں. قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی اسلامی قوانین کا سرچشمہ ہیں دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی، ماخذ قانون ہیں، انہی ماخذ سے ایک مسلم اسلامی قوانین کو اخذ کرتا ہے۔

اب تک ہم نے بے شمار دلائل کی نشاندہی کر کے یہ ثابت کیا کہ حدیث وحی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو چیز وحی ہو اس کے حجّت شرعیہ ہونے میں کسی مسلم کو ذرا بھی شبہ نہیں ہونا چاہیئے تاہم مزید اطمینان کے لئے ہم ذیل میں حدیث کے حجّت شرعیہ ہونے کے دلائل بیان کر رہے ہیں :۔

دلیل ۱ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِتَّبِعُوا مَآ اُنزِلَ اِلَیکُم مِّن رَّبِّکُم وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِہٖٓ اَولِیَآءَ قَلِیلًا مَّا تَذَکَّرُونَ ○ (اعراف ۳)

اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی مت کرو۔ مگر تم نصیحت کم ہی

حاصل کرتے ہو۔

گذشتہ صفحات میں دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیث وحی ہے اور اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے لہذا آیت بالا کی رُو سے حدیث کا اتباع فرض ہے اور حدیث حجّتِ شرعیہ ہے۔

دلیل ۲ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نساء ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے یقیناً اللہ ہی کی اطاعت کی۔

رسولؐ کی اطاعت میں احکامِ قرآنی بھی شامل ہیں اور دوسرے احکام بھی اور کیونکہ آیت بالا میں احکامِ قرآنی کی تخصیص نہیں ہے۔ بلکہ مطلقاً آپ کے تمام احکام کی اطاعت کا حکم ہم کو دیا گیا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ احادیث کے احکام کی اطاعت بھی فرض ہے۔ احادیث کی اطاعت گویا اللہ کی اطاعت ہے۔ لہذا احادیث حجّتِ شرعیہ ہیں۔

دلیل ۳ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى (البقرۃ ۱۲۰) اللہ کی ہدایت ہی اصل میں ہدایت ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری ہے۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرۃ ۳۸) (اے بنی آدم) جب کبھی میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جن لوگوں نے میری ہدایت کی پیروی کی

ان کو نہ خوف ہو گا نہ غم۔

گویا اللہ تعالےٰ کی ہدایت اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے، لیکن یہ ہدایت ملے گی کہاں سے؟ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا (نور ۵۴)	اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔

یعنی رسول کی اطاعت میں ہدایت ہے اور یہ ہدایت وہی ہے جس کے نازل کرنے کا اللہ تعالےٰ نے بنی آدم سے وعدہ فرمایا تھا، لہٰذا رسول کے احکام منزل من اللہ ہیں۔ ان کی پیروی ہی میں ہدایت ہے لہٰذا احادیث کے احکام حجت ہیں۔

<u>دلیل ۳۷</u> اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ○ (قیامۃ ۱۹)	پرویز کا ترجمہ: "قرآن کی تفسیر ہمارے ہی ذمہ ہے" (مقدمہ معارف القرآن ص۴۸)

اس آیت کی رو سے قرآن مجید کی تفسیر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہی ہونی چاہیئے۔ دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (نحل ۴۴)	اور ہم نے آپ کی طرف ذِکر نازل کر دیا ہے تاکہ آپ اِس ذِکر کی جو اُن کی طرف نازل کیا گیا ہے تشریح و تفسیر ان لوگوں کے سامنے بیان کر دیں۔

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ تفسیر اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہے، دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کریں گے۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تفسیر من جانب اللہ ہوگی۔ لہذا شریعت الہیہ کی تفسیر و توضیح میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منزل من اللہ اور حجت شرعیہ ہے۔ اگر صرف قرآن مجید کو دیکھا جائے تو اس میں نہ "صلوٰۃ" کی وضاحت ہے۔ نہ "زکوٰۃ" کی۔ نہ قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کی طرف منہ کرنا کس وقت ضروری ہے۔ یہ تمام باتیں احادیث سے معلوم ہوتی ہیں، لہذا احادیث حجتِ شرعیہ ہیں۔

دلیل ۵ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (جمعۃ ۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے اُمیّوں میں ان ہی میں سے، ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

دلیل ۶ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

تحقیق اللہ تعالےٰ نے مومنین پر بڑا احسان کیا کہ انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کے سامنے اللہ

وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (آل عمران ۱۶۴)

کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

دلیل ۷ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○ (بقرۃ ۱۵۱)

جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم لوگوں میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سناتا ہے، تمہیں پاک و صاف کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

دلیل ۸ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اس طرح دعاء کی تھی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (بقرۃ ۱۲۹)

اے ہمارے رب ان لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کو (روحانی گندگیوں سے) پاک کرے۔ بے شک تو عزیز و حکیم ہے۔

خلاصہ | دلائل ۵ تا ۸ کا خلاصہ یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائضِ منصبی تین ہیں۔

۱۔ احکامِ الٰہی سنانا۔

۲۔ تزکیہ کرنا۔ یعنی قلوب کو تمام روحانی گندگیوں سے پاک و صاف کرنا۔

۳۔ کتاب و حکمت کی تعلیم دینا۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام صرف احکام و آیاتِ الٰہی کا سنانا ہی ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض ایک قاصد تھے جو پیغام دے کر چلے گئے۔ آپ کی ذات سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قاصد ہی بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مزکّی و معلّم بھی بنا کر بھیجا۔ اور جب مزکّی و معلّم بنا کر بھیجا تو پھر آپ کی ذات سے بھی ہمارا تعلق پیدا ہو گیا اور وہ اس طرح کہ آپ ہمیں امراض روحانی سے شفا حاصل کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اور کیونکہ آپ اللہ تعالےٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے طبیب روحانی ہیں لہٰذا آپ کا تجویز کردہ علاج بھی اللہ کی طرف سے منظور شدہ ہونا لازمی ہے۔ اگر آیاتِ الٰہی سے صرف قرآن مجید ہی مراد ہو تب بھی یہ تو ضرور ثابت ہوا کہ روحانی امراض کا علاج بھی اللہ کی طرف سے ہے یعنی جو جو باتیں آپ نے اس سلسلے میں تلاوتِ آیات کے علاوہ بتائیں یا انجام دیں وہ منجانب اللہ ہیں۔ لہٰذا حجت ہیں۔

تیسرا فرض منصبی جس کی تکمیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت ہوئی، وہ تعلیم کتاب وحکمت ہے۔ اگر ہم یہ بھی فرض کرلیں (جیسا کہ منکرین حدیث کا خیال ہے) کہ کتاب اور حکمت سے صرف قرآن مجید مراد ہے تب بھی یہ بات ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کی طرف سے ہمارے معلم ہیں، آپ ہمیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں، یعنی صرف سناتے ہی نہیں سمجھاتے بھی ہیں، تشریح اور وضاحت بھی کرتے ہیں۔ اگر آپ کا کام صرف سنانا ہی ہوتا تو "یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ" کافی تھا۔ لیکن سنانے کے ساتھ آپ کا یہ منصب بھی ہے کہ آپ تعلیم دیں۔ تعلیم دیتے وقت معلم کو بہت سی باتوں کی تشریح کرنی پڑتی ہے۔ اگر وہ تشریح نہ کرے تو پھر صرف سنانے والا ہوا، اسے قاری تو کہہ سکتے ہیں۔ معلم نہیں کہہ سکتے۔ لیکن آیات بالا کہتی ہیں کہ آپ معلم ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر معلم اللہ کی طرف سے ہو تو اس کی تشریح کو بھی اللہ کی طرف سے ماننا پڑے گا۔ اللہ تعالےٰ اپنے کلام کی غلط تشریح پر خاموش نہیں رہ سکتا، لہذا یہ تمام تشریحات وعملی تفصیلات جو احادیث میں پائی جاتی ہیں من جانب اللہ ہیں، لہذا حدیث حجت شرعیہ ہے۔

دلیل ۹ منکرین حدیث مرکزِ ملت کی تشریح کو حجت مانتے ہیں۔ انہیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ مرکز ملت انسانوں کا منتخب کردہ ہوتا ہے اور رسول اللہ تعالےٰ کا منتخب کردہ۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اللہ کے منتخب کردہ کی بات تو حجت نہ ہو اور انسانوں کے منتخب کردہ کی بات حجت ہو۔ حالانکہ انسانوں کا منتخب کردہ اگر کوئی غلطی کرے تو اس کی اصلاح کی کوئی یقینی وقطعی صورت نہیں لیکن اللہ تعالےٰ کا منتخب کردہ اگر کوئی غلطی کرے تو فوراً وحی کے ذریعہ اس کی

یقینی وقطعی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اور اس کی دو تین مثالیں بھی ملتی ہیں۔ الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح پر اللہ کی مہر تصدیق ثبت ہے لہٰذا حدیث حجت ہے۔

دلیل نمبر ۱ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رسول بنائے گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

۱۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ (مدثر ۲) — اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ۔

۲۔ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ (شعراء ۲۱۴) — اپنے رشتہ داروں کو ڈراؤ۔

تو آپؐ نے اپنی قوم کو خطاب کیا۔ اس خطاب میں سب سے اہم بات جس کی بنیاد پر آپ نے وعظ و نصیحت کی وہ یہی تھی کہ آپ نے فرمایا:

"میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔"

قوم خزرج کے چند لوگوں کو تبلیغ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔

اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعَثَنِیْ اِلَى الْعِبَادِ ...... وَاَنْزَلَ عَلَیَّ كِتَابًا ثُمَّ ذَكَرَ الْاِسْلَامَ وَتَلَا عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنَ۔ (مسند احمد۔ بلوغ الامانی جزء ۲۰ صفحہ ۲۶۶)

یعنی میں اللہ کا رسول ہوں، اس نے مجھے بندوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے ..... اور میرے اوپر ایک کتاب نازل کی ہے، پھر آپ نے اسلام کا ذکر کیا اور انہیں قرآن سنایا۔

گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے سے ہمیں معلوم ہوا کہ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

یہ حدیث کہ "قرآن اللہ کی کتاب ہے۔" حجت ہے یا نہیں؟ اگر حجت نہیں تو پھر قرآن بھی حجت نہیں اور اگر حجت ہے تو پھر ثابت ہوا کہ احادیث حجت شرعیہ ہیں اور یہ کہ قرآن پر ایمان لانے کا دارومدار احادیث پر ہے۔ حدیث کو پہلے حجت ماننا پڑے گا۔ اگر حدیث پر ایمان نہیں تو قرآن پر بھی ایمان نہیں۔

دلیل ۱۱ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد کرتے تھے؟ اگر نہیں کرتے تھے تو یہ سراسر لغو ہے کہ بعد میں آنے والے تو اجتہاد کے اہل ہوں اور اللہ کا منتخب کردہ مرکزِ ملت اجتہاد کا اہل نہ ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں تھی، اس لئے کہ ہر حکم وحی کے ذریعہ معلوم ہو جاتا تھا تو پھر یہ اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ آپ کا ہر فیصلہ اور حکم وحی ہوتا تھا۔ لہٰذا اس کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں یعنی حدیث حجت شرعیہ ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ آپ اجتہاد کرتے تھے تو سوال یہ ہے کہ وہ اجتہاد واجب التعمیل تھا یا نہیں اگر واجب التعمیل تھا تو پھر ثابت ہوا کہ حدیث واجب التعمیل ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اجتہاد آپ کی امارت میں واجب التعمیل تھا، بعد میں نہیں تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ بہ حیثیت امیر کے تو آپ اجتہاد کر سکتے تھے اور وہ اجتہاد واجب التعمیل تھا لیکن بہ حیثیت نبی کے آپ اجتہاد نہیں کر سکتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ امارت کا درجہ رسالت سے افضل ہوا کیونکہ امیر کی بات تو واجب التعمیل ہوئی اور رسول کی بات واجب التعمیل نہیں ہوئی۔ اجتہاد اور استنباط کا تعلق امارت سے تو ہو لیکن نبوت سے نہ ہو۔ یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مرکزِ ملّت کا اجتہاد حجّت ہے تو پھر یہ بات تسلیم کرنی ہوگی کہ قرآن کے علاوہ ایک اور چیز کو حجّت مانا گیا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ صرف قرآن کافی نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (اعراف ۲)	اس چیز کا اتباع کرو جو تمہارے ربّ کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی مت کرو۔

آیتِ بالا کی رو سے تو مرکزِ ملّت کی بات حجّت نہیں ہونی چاہیئے اس لئے کہ سوائے منزّل من اللہ کے ہر چیز کا اتباع حرام کر دیا گیا ہے۔ اب اگر مرکزِ ملّت کی بات حجّت نہ ہو تو احکامِ قرآن کی تشریح کیسے ہوگی۔ اس الجھن کا صرف ایک ہی علاج ہے کہ صرف مرکزِ اوّل کے اجتہادات کو تسلیم کیا جائے، کیونکہ اس کے اجتہاد کا منزل من اللہ ہونا یا منجانب اللہ حجّت ہونا بہر صورت ممکن ہے، کیونکہ وہ صاحبِ وحی ہے اور اس کے اجتہاد پر عمل پیرا ہونا گویا منشائے الٰہی کی تعمیل ہے۔ اگر وہ اجتہاد منشائے الٰہی کے مطابق نہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ کبھی اس پر خاموش نہ رہتا، اس کی اصلاح کر دی جاتی۔ الغرض حدیث حجّت شرعیّہ ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں۔

دلیل ۱۲ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقُوْا	اے رسول، ان سے پوچھو کہ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو، انہوں

مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (احقاف ۴)

نے زمین کی اشیاء میں سے کونسی چیز بنائی ہے یا آسمانوں کے پیدا کرنے میں ان کی (کسی قسم کی) شرکت ہے؟ اگر تم سچے ہو تو (اس کے ثبوت میں) اس کتاب سے پہلے کی کوئی کتاب لے آؤ یا کوئی علمی اثر ہی پیش کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے علاوہ بھی کوئی چیز حجت ہو سکتی ہے اور وہ آثار علمی ہیں جو حجت ہیں۔ آیت میں آثار سے مراد آثار انبیاء ہی ہو سکتے ہیں، اس لئے کہ نبی کے علاوہ کسی دوسرے کی بات کا صحیح ہونا یقینی نہیں اور اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ دوسروں کے علمی آثار بھی حجّت ہیں تو پھر یہ اور بھی زیادہ ضروری ہوگا کہ انبیاء کے آثار کو حجّت مانا جائے۔

انتباہ | غیر انبیاء کے آثار اس لئے حجت نہیں ہو سکتے کہ ان کو وحی کی تائید حاصل نہیں ہوتی، لہذا وہ منزّل من اللہ کی تعریف میں نہیں آتے۔ برخلاف اس کے انبیاء کے آثار کو تائید الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ لہذا وہ وحی الٰہی اور منزّل من اللہ میں شمار ہوتے ہیں اور اس لئے وہی حجّت ہو سکتے ہیں نہ کہ غیر انبیاء کے آثار۔

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ آثارِ انبیاء یعنی احادیث نبویہ حجّت ہیں اور صرف ان انبیاء کی زندگی ہی میں حجّت نہیں بلکہ اُن کی وفات کے بعد بھی حجّت ہیں۔

دلیل ۱۳ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔

یٰبُنَیَّ اِنِّیٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ○ (صٰفّٰت ۱۰۲، ۱۰۳)

اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟ (بیٹے نے) کہا اے اباجان، آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجیئے، آپ انشاء اللہ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔ پھر جب ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی اور ابراہیمؑ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔

ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے خواب کو حکم الٰہی سمجھا۔ حکم کے الفاظ نہیں تھے بلکہ ایک عملی نقشہ تھا جو خواب میں دکھایا گیا۔ لہذا یہ قطعًا ناممکن ہے کہ یہ حکم کتاب الٰہی میں موجود ہو، کیونکہ کتاب الٰہی میں موجود ہونے کے لئے الفاظ ضروری ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السّلام نے بھی اس خواب کو حکمِ الٰہی ہی سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی تائید کی اور فرمایا "اَسْلَمَا" ان دونوں نے حکم کی تعمیل کی۔ آیت سے ثابت ہوا کہ نبی کو خواب میں بھی احکام الٰہی پہنچتے ہیں اور اسے ان کی تعمیل کرنی ہوتی ہے، یہ احکام کتاب الٰہی میں نہیں ہوتے پھر بھی حجّت ہوتے ہیں۔ لہذا حدیث کے حجّت ہونے میں کیا شبہ رہا۔

دلیل ۱۴ منکرین حدیث کے نزدیک مرکزِ ملّت کی تشریح حجّت ہے۔ اس سلسلہ میں دو صورتیں ہمارے سامنے آتی ہیں :-

(۱) مرکزِ ملّت صاحبِ وحی ہوتا ہے لہٰذا اس کی تشریح وحی ہے، لہٰذا حجّت ہے۔

(۲) مرکزِ ملّت کی تشریح وحی نہیں پھر بھی حجّت ہے۔

پہلی صورت قطعاً صحیح نہیں۔ رہی دوسری صورت تو وہ بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ جب اسکی تشریح وحی نہیں تو وہ "مَا اُنْزِلَ اللّٰہ" میں داخل نہیں اور جو چیز ما انزل اللہ میں داخل نہیں اس کا اتباع سورۂ اعراف کی آیت[1] ۳ اور سورۂ شوریٰ کی آیت ۲۱ کی رو سے حرام اور شرک ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرکزِ ملّت کی تشریح حجّت نہیں۔ لیکن یہ امر مسلّم ہے کہ قرآن مجید کی تشریح ناگزیر ہے اور اس کے بغیر قرآنی آیات پر عمل ناممکن ہے (اس کی مثالیں آگے آرہی ہیں) لہٰذا کوئی تشریح ایسی ہونی چاہیئے جو وحی سے ماخوذ ہو، جو اللہ نے نازل فرمائی ہو تاکہ اس تشریح کے ماننے سے توحید قائم رہے اور شرک کا ارتکاب نہ ہو اور اس کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ اس تشریح کو تسلیم کیا جائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے منسوب ہے کیونکہ جو تشریح وہ کریں گے اس کو وحی تسلیم کرنا صرف قرینِ قیاس ہی نہیں بلکہ تقاضائے ایمان بھی ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحبِ وحی ہیں لہٰذا آپ کی تشریح وحی کے تابع ہے اور بالکل صحیح ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالےٰ غلط تشریح پر خاموش رہے، روزِ اول ہی سے دین کی غلط ترجمانی ہو اور اللہ تعالےٰ دیکھتا رہے اور

---

[1] یہ آیت صفحہ ۸۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس کی اصلاح نہ فرمائے۔ الحاصل حدیث حجّت ہے۔

دلیل ۱۵ سوال :۔ کیا قرآن مجید خود مکتفی ہے؟

جواب :۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے لغت کی ضرورت پیش آتی ہے اور جو تشریح و معانی اس میں دئے ہوتے ہیں وہ حجّت تسلیم کئے جاتے ہیں اور بغیر اس کے چارہ نہیں۔ لہذا قرآن کے علاوہ ایک اور چیز کو حجّت سمجھا گیا۔ جب یہ لغت حجّت ہے تو قرآن مجید کی وہ لُغت حجّت کیوں نہیں جو اس کے لغوی معنی نہیں بلکہ اصطلاحی معنی بناتی ہے۔ اور یہ امر مسلّم ہے کہ اصطلاحی معنوں کی موجودگی میں لغوی معنی تسلیم نہیں کئے جاتے، لہذا قرآن مجید کے معانی کے لئے اصطلاحی لغت (یعنی حدیث) ہی حجّت ہے۔

دلیل ۱۶ لغت کے اکثر مؤلفین غیر مستند ہوتے ہیں، بعض مجہول ہوتے ہیں اور بعض غیر مُسلِم، اور بعض متعصب بھی ہوتے ہیں لہذا ان کے لکھے ہوئے معانی کو حجّت مانا جائے اور حدیث کو حجّت نہ مانا جائے جس کے مدوّنین مستند ہوں، ثقہ ہوں، معروف ہوں، متدیّن اور مُسلم ہوں۔ یہ کسی طرح بھی قرینِ انصاف نہیں۔ لہذا حدیث کے حجّت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دلیل ۱۷ مؤلفین لغت جو معانی نقل کرتے ہیں وہ بھی مستند نہیں ہوتے۔ وہ مجہول راویوں سے ان معانی کو نقل کرتے ہیں، سنی سنائی باتیں ہوتی ہیں جن کو وہ مندرج کر دیتے ہیں، بعض مرتبہ جو غلط معنی مشہور ہو جاتے ہیں وہ بھی نقل کر دیتے ہیں اور وہ بھی اس کے لغوی معنوں میں شمار ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف اس کے احادیث سب باسند ہوتی ہیں۔ راوی بھی مشہور و

معروف بلکہ ائمہ دین ہوتے ہیں، مجہول راویوں کی روایت تسلیم نہیں کی جاتی، سنی سنائی احادیث کو مستند نہیں مانا جاتا پھر باقاعدہ متعدد فنون (جن کی تعداد سنو کے لگ بھگ ہے) سے ان کو پرکھا جاتا ہے لہذا باقاعدہ، مستند اور معیاری لغت کو تسلیم نہ کیا جائے اور غیر معیاری، غیر مستند لغت کو تسلیم کیا جائے یہ کسی طرح بھی نہ عقل کے مطابق ہے نہ ایمان کے۔ اگر اُس غیر مستند لغت کو تسلیم کرنا منکرین حدیث کے نزدیک صحیح ہے اور وہ حجت ہے تو پھر اس سے زیادہ مستند لغت (یعنی حدیث) کو حجت تسلیم کرنا اور بھی زیادہ ضروری ہے۔

دلیل ۱۸ لغت زمانہ کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، لہذا کس لغت کو حجت سمجھا جائے؟ مثلاً پہلے عیش کے معنی زندگی گذارنے کے تھے اور اب اس کے معنی روٹی کے لئے جاتے ہیں۔ لہذا قرآن مجید کا مطلب ایسی بدلتی ہوئی لغت سے کرنا قرینِ ایمان نہیں بلکہ اس لغت سے کرنا چاہیئے جو غیر متبدل ہے یعنی حدیث۔

دلیل ۱۹ ہر فن کی ایک اصطلاح ہوتی ہے۔ اگر ہم ریاضی و سائنس وغیرہ علوم کے فنی الفاظ کے معنی لغت میں تلاش کریں تو ہمیں بڑی مایوسی ہوگی اور ہم ان الفاظ کی حقیقت کو نہ پاسکیں گے ان الفاظ کی اصل حقیقت اور اصلی تعریف ان فنون کی کتابوں میں ہی مل سکتی ہے اور ان ہی سے ان الفاظ کے عرفی اور اصطلاحی معنی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ شریعت الٰہیہ کی بھی ایک اصطلاح ہے اور وہ اصطلاح ہی حجت ہے نہ کہ لغت، لہذا قرآن حکیم کے وہی معنی لئے جائینگے

جو اصطلاح اور عرف میں مقرر ہو چکے ہیں۔ مثلاً زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی نہیں کئے جا سکتے بلکہ وہ اصطلاحی معنی مراد لئے جائیں گے جو ہم کو قرآنی احکام کے نافذ کرنے والے نے بتائے ہیں۔ لہٰذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۲۰: لغت میں ایک ہی لفظ کے متعدد معنی ہوتے ہیں، لہٰذا لغت سے یہ فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ کسی لفظ کے کون سے معنی منشائے الٰہی کے مطابق ہیں۔ اس کا فیصلہ حدیث رسول ہی کر سکتی ہے، لہٰذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۲۱: لغت میں بعض الفاظ کے متعارض معانی ہوتے ہیں۔ ان الفاظ کو لغت اضداد کہتے ہیں۔ مثلاً

"اشتراء": بیچنا یا خریدنا۔

"دین": فرمانبرداری کرنا یا نافرمانی کرنا۔

"مولیٰ": آقا یا غلام۔

اگر قرآن مجید کو لغت کے حوالہ کر دیا جائے تو ایک ہی آیت کے دو ایسے معنی ہو سکتے ہیں جو ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہوں اور یہ صورت قطعاً منافیٔ ایمان ہے اور غیر صحیح ہے۔ اسے روکنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ کوئی ایسی چیز ہمارے پاس موجود ہونی چاہیئے جو اس کا فیصلہ کر دے کہ کون سے معنی مراد ہیں اور وہ چیز سوائے حدیث کے اور کون سی ہو سکتی ہے لہٰذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۲۲: افتراق کا سدباب۔ اگر قرآن مجید کے کوئی معنی متعین نہ کئے جائیں تو ہر جو جس کی سمجھ میں آئے گا اس کے معنی کرے گا! اس طرح امت میں

ایک عظیم تفرقہ پھیل جائے گا۔ اُمت فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جیسا کہ عملاً تقلید (جو انکار حدیث کی ایک خفی صورت ہے) کی وجہ سے ہو چکا ہے۔ اس فرقہ بندی کو روکنے کا اگر کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے تو وہ حدیث ہے، لہٰذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۲۳ | الحاد و بدعات کا سدِ باب۔ بعض لوگ نیک نیتی سے اور بعض لوگ بدنیتی سے قرآن مجید کے ایسے معانی کریں گے کہ اللہ کا دین اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہے گا۔ نیک نیتی بدعات کا دروازہ کھول دیگی اور بدنیتی الحاد کا۔ اس طرح الحاد و بدعات کا ایک عظیم سیلاب آئے گا جس کا روکنا دشواری نہیں ناممکن ہو گا۔ جیسا کہ عملاً تجدد پسندی اور تصوف (جو انکار حدیث ہی کی قسمیں ہیں) کے باعث ہو چکا ہے۔ اس الحاد و ابتداع کے انسداد کے لئے ضروری ہے کہ قرآن مجید کے کوئی ایسے معین معنی ہوں جن کے خلاف کوئی معنی نہ کر سکے اور یہ معین معنی بالاتفاق کس کے مسلّم ہو سکتے ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات حجت ہے یعنی حدیث حجت شرعیہ ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ | مذکورہ بالا دلائل کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ مرکزِ ملت ان تمام باتوں کا فیصلہ کرے گا لہٰذا نہ اختلاف ہو گا نہ افتراق، نہ بدعات و الحاد کے لئے کوئی گنجائش ہو گی۔ ہر فتنہ کا سدِ باب قرآنی حکومت کریگی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر قرآنی حکومت نہ ہو تو پھر کیا صورت ہو گی؟ قرآنی حکومت صدیوں سے معدوم ہے۔ کیا ان ادوار میں افتراق و الحاد کو روکنے کا کوئی دائمی ذریعہ تھا یا نہیں؟ ضرور تھا اور وہ حدیث ہی تھی۔ قرآنی حکومت دائمی

چیز نہیں لہٰذا وہ اس درد کا مداوا نہیں ہو سکتی۔ اس مرض کے لئے دائمی چیز چاہیئے نہ کہ عارضی۔ پھر یہ کہ قرآنی حکومت کے معدوم ہو جانے کے بعد دوبارہ قرآنی حکومت کون سا فرقہ قائم کرے گا؟ ہر فرقہ اپنی قائم کردہ حکومت کو قرآنی حکومت قرار دے گا اور اپنی من مانی کارروائیوں اور الحاد کو قرآنی حکومت کے مرکز کی تشریح قرار دیتے ہوئے نافذ کرنے کی کوشش کرے گا۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس دور الحاد میں وہ لوگ جو صحیح اسلام پر چل رہے ہوں اس ظالم حکومت کا تختہ مشق بن کر رہ جائیں۔ اصل اسلام کو نیست و نابود کیا جائے اور نام ہر وقت قرآنی حکومت کا لیا جائے۔ لہٰذا یہ فرض کر لینا کہ قرآنی حکومت اس الحاد اور احداث کا سد باب کر سکتی ہے طفل تسلی سے زیادہ کچھ نہیں۔

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ آج کوئی قرآنی حکومت قرآن مجید کی کسی آیت کے کوئی معنی متعین کرے اور آئندہ زمانہ کی کوئی قرآنی حکومت اُسی آیت کے دوسرے معنی متعین کرے اور کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ معانی آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہوں کیونکہ عربی میں بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے دو معنیٰ ہوتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی زمانہ میں مختلف ممالک میں مختلف قرآنی حکومتیں قائم ہو جائیں اور ہر قرآنی حکومت اپنے ملک میں قرآن مجید کی آیتوں کے ایسے معانی کرے جو دوسری جگہ نہ مانے جاتے ہوں، بلکہ بعض اوقات لغت

اضداد کی وجہ سے بالکل متضاد معنی ہوں تو بتایئے ان مختلف ممالک اور مختلف ادوار کی قرآنی حکومتوں کے مختلف بلکہ متضاد معنوں میں سے کون سے معنی صحیح ہو سکتے ہیں۔ ایک ہی قرآنی حکم کی مختلف تعبیریں ہوں گی، کس تعبیر کو منشاءِ الٰہی کے مطابق سمجھا جائیگا؟ ایسے حالات میں یہ مصرع صادق آئیگا:

ع : "شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیرہا"

ایک غیر مسلم کے لئے یہ موقع کتنا مضحکہ خیز ہوگا، بلکہ اس مضحکہ خیزی سے ایک مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

خلاصہ الغرض مرکزِ ملّت یا قرآنی حکومت کے یہ بس کی بات نہیں کہ وہ افتراق والحاد کو روک سکے۔ اس کے انسداد کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ جس رسول پر ہم ایمان لائے ہیں، جس کا کلمہ ہم پڑھتے ہیں سب مل کر اس کی تشریح کو تسلیم کریں اور اپنے اختلافات کو ختم کردیں، اپنے افہام اور خواہشات کو اس کا تابع کردیں، اپنے اجتہادات، مذہبی روایات، خودساختہ فقہی و تقلیدی مذاہب کو خیرباد کہہ کر صرف احادیث کو قرآنی احکام کی تشریح کے لئے حجّت تسلیم کریں۔ جب تک یہ نہیں ہوگا فتنے پھیلتے رہیں گے اور ان کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا رہے گا۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ کہا جاتا ہے کہ قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے لہٰذا اس کی تفسیر کے لئے نہ حدیث کی ضرورت ہے نہ مرکزِ ملّت کی تشریح کی۔

یہ اصول بھی سو فیصد صحیح نہیں۔ بعض معاملات میں ایسا ہوا ہے کہ قرآن نے اپنی تشریح آپ کردی ہے لیکن ہر مسئلہ میں نہیں۔ مثلاً صلوٰۃ کو لیجئے۔ حکمِ الٰہی

ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○ (نسآء ۱۰۳)　　بے شک صلوٰۃ مومنین پر اپنے اپنے وقت پر فرض کر دی گئی ہے۔

معلوم نہیں یہ "صلوٰۃ" کیا چیز ہے۔ قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے۔ مثلاً

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (بقرہ ۱۵۷)　　ان لوگوں پر ان کے رب کی طرف سے صلوٰۃ ہوتی ہے اور رحمت۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ "صلوٰۃ" رحمت ہی کی قسم کی کوئی چیز ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔

دوسری آیت ملاحظہ فرمائیے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (توبہ ۱۰۳)　　آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے یقیناً آپ کی صلوٰۃ ان کے لئے باعثِ تسکین ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ "صلوٰۃ" دعاء کی کوئی قسم ہے جو اللہ تعالےٰ سے مانگی جائے۔

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں اگر "صلوٰۃ" کے معنی "فضلِ الٰہی" یا "دعاء" کے لئے جائیں تو نمازِ متعارفہ کالعدم ہو جائے گی، لہٰذا اس موقع پر محض قرآن مجید سے قرآنی حکم کی تفسیر نہیں ہو سکتی۔

دوسری مثال زکوٰۃ کا حکم ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اٰتُوا الزَّكٰوةَ　　زکوٰۃ دو

دوسری جگہ ارشاد باری ہے :

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۙ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا ۙ (مریم ۱۲، ۱۳)	اے یحیٰی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور ہم نے یحیٰی کو بچپن ہی میں حکم دے دیا تھا اور اپنی طرف سے نرمی عطاء فرمائی تھی اور زکوٰۃ بھی دی تھی اور وہ پرہیز گار تھے۔

اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کو زکوٰۃ دی تھی اب اگر پہلی آیت میں زکوٰۃ کے معنی ٹیکس کئے جائیں تو دوسری کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالےٰ حضرت یحیٰی علیہ السلام کو ٹیکس دیتا تھا اور اگر دوسری آیت کو معیار مقرر کیا جائے تو پہلی آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ "پاکیزگی دیا کرو" کیونکہ دوسری آیت میں زکوٰۃ کے معنی پاکیزگی ہی کے ہیں۔ ایسی صورت میں زکوٰۃ یعنی اسلامی ٹیکس ختم ہو جائے گا، بس پاکیزگی اختیار کرنا کافی ہوگا اور یہ بالکل غلط ہے۔ نہ پہلی آیت دوسری کی تشریح کرتی ہے اور نہ دوسری پہلی کی۔ دونوں آیتوں میں زکوٰۃ کے مختلف معنیٰ ہیں۔ اگر اس اصول پر کہ قرآن اپنی تشریح آپ کرتا ہے آنکھ بند کر کے عمل کیا جائے تو بہت زبردست غلطیاں ہوں گی۔ لہٰذا ایسے نازک موقعوں پر سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ دونوں آیتوں کے صحیح مفہوم کے لئے حدیث کی طرف رجوع کیا جائے۔

تیسری مثال ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ	صلوٰۃ قائم کرو۔

"صلوٰۃ" کے معنی کولہا ہلانے کے بھی ہوسکتے ہیں لہذا اقیموا الصلوٰۃ کے
معنی یہ ہوئے کہ کولہے ہلایا کرو۔ ان معنوں کی تائید میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل
آیت بھی پیش کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَھْوٌ۔ (حدید ۲۰) جان لو کہ دنیا کی زندگی لہو و لعب کے علاوہ کچھ نہیں۔

یعنی دنیاوی حیات کا مقصد ہی کھیل تماشہ، رقص و سرود ہے لہذا
جہاں یہ کہا گیا ہے کہ "اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ" کولہے ہلایا کرو تو اس کے معنی
یہی ہیں کہ کھیل کود، رقص و سرود کی محفلیں قائم کرو کیونکہ کھیل کود اور ناچ
ہی میں کولہے ہلانے کے حکم کی تعمیل صحیح طور پر ہوسکتی ہے۔

ان تین مثالوں سے ثابت ہوا کہ یہ اصول ہر حالت میں صحیح نہیں کہ قرآن
مجید اپنی تفسیر آپ کرتا ہے، بلکہ اس اصول کو اگر سو فیصدی صحیح مان لیا جائے تو
شدید قسم کی گمراہی پھیل سکتی ہے۔ لہذا حدیث حجت ہے اور وہی قرآنی
معانی کا فیصلہ کرے گی۔

بعض آیات کے معنیٰ حل نہیں ہوتے

دلیل ۲۴ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْھُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (بقرہ ۱۹۷) حج کے چند مقررہ مہینے ہیں۔

کسی آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ یہ مہینے کون سے ہیں۔ اس کی وضاحت
کے لئے حدیث ہی کی ضرورت ہے۔ لہذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۲۵ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ کِتٰبِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ (توبۃ ۳۶)	بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک اللہ کی کتاب میں اُس دن سے جس دن آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا بارہ چلی آرہی ہے۔ اِن (مہینوں) میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔ یہ ہے مضبوط دین۔

کیا اس آیت میں کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر ہر جگہ کتاب اللہ کے معنے صرف قرآن مجید کرنا صحیح نہیں۔ پھر قرآن مجید میں یہ بھی مذکور نہیں کہ چار حرمت والے مہینے کون سے ہیں جن میں دوسری آیتوں کی رُو سے جدال وقتال حرام ہے۔ ان مہینوں کی وضاحت قرآن مجید میں کہیں نہیں لہذا حدیث ہی ان کی وضاحت کے لئے ضروری ہے لہذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۲۷ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰہَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرۃ ۲۰۳)	اُن ایام میں جن کی گنتی بتادی گئی ہے اللہ تعالےٰ کا ذکر کیا کرو۔

قرآن مجید میں ان ایام کی وضاحت نہیں کہ کون سے ہیں، کن ایام میں اللہ کا ذکر ضروری ہے۔ جب تک کہ ان ایام کا علم نہ ہو اس حکم کی تعمیل ناممکن ہے۔ ان ایام کے علم کے لئے حدیث کی ضرورت ہے لہذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۲۷ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ (حج ۲۸)
اور چند مقررہ دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر کیا کریں۔

ایّام معلومات کا ذکر بھی قرآن مجید میں نہیں۔ ان کی وضاحت کے لئے حدیث کی ضرورت ہے، لہٰذا حدیث حجّت ہے۔

دلیل ۲۸ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ○
اور ہم میں سے ہر ایک کی جگہ مقرّر ہے

وَ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ○
اور تحقیق ہم صف باندھنے والے ہیں۔

(صآفّات ۱۶۵، ۱۶۶)

قرآن مجید سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کون کہہ رہا ہے، کن کی جگہ مقرّر ہے۔ کون صف بندی کرتے ہیں؟

دلیل ۲۹ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ○ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم ۶۳، ۶۴)
اس جنّت کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اُن لوگوں کو بناتے ہیں جو متقی ہوتے ہیں اور ہم نازل نہیں ہوتے جب تک تیرے ربّ کا حکم نہ ہو۔

پہلی آیت میں متکلّم اللہ تعالےٰ ہے۔ دوسری آیت اس کے متصل واقع ہوئی ہے تسلسلِ عبارت کا تقاضا ہے کہ دوسری آیت کا متکلّم بھی اللہ تعالیٰ ہی ہو۔ اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالےٰ کسی دوسرے کے حکم سے نازل ہوتا ہے اور وہی حقیقی ربّ ہے۔ لیکن یہ مفہوم قطعاً غیر اسلامی

ہے۔ لہذا دوسری آیت میں متکلم کوئی اور ہے نہ کہ اللہ تعالےٰ۔ لیکن قرآن مجید اس معاملہ میں کوئی صفائی پیش نہیں کرتا۔ صفائی کے لئے حدیث کی ضرورت ہے۔ حدیث ہی سے اس آیت کا شانِ نزول معلوم ہوتا ہے۔ حدیث ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرشتوں کا جواب ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس وقت دیا تھا جبکہ آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ تم لوگ بار بار کیوں نہیں آتے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن مجید کے ان مشکل مقامات کی تشریح کے لئے حدیث کی بڑی سخت ضرورت ہے۔ لہذا حدیث حجت ہے۔

دلیل نمبر ۳۰ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ۔ (البقرۃ ۱۹۶)

اور اللہ تعالےٰ کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو۔

قرآن مجید سے معلوم نہیں ہوتا کہ حج کیا چیز ہے اور عمرہ کیا چیز ہے، حج و عمرہ میں کیا فرق ہے۔ جب تک ان چیزوں کی وضاحت نہ ہو اس آیت پر عمل نہیں ہوسکتا۔ اس حکم کی وضاحت کے لئے حدیث کی سخت ضرورت ہے، لہذا حدیث حجت ہے۔

بعض آیاتُ ناممکنُ العمل ہیں

دلیل ۳۱ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرۃ ۱۵۰)	اور جہاں کہیں تم چلے جا رہے ہو مسجد حرام کی طرف منہ کرو اور جہاں کہیں بھی تم ہو اُسی کی طرف منہ کرو (یعنی سفر و حضر ہر حالت میں کعبہ کی طرف مُنہ کرو)

بظاہر آیت کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ ہر وقت ہر حال میں قبلہ کی طرف منہ ہونا چاہیئے اور یہ قطعًا ناممکن ہے۔ قرآن مجید سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ حکم کس وقت کے لئے ہے، ہاں حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف نماز کے لئے ہے۔ اس تشریح کے بعد ہی اس آیت پر عمل ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔ لہذا حدیث کے حجّت ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

دلیل ۳۲ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اَشْهِدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (البقرۃ ۲۸۲)	اور جب تم خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لیا کرو۔

یہ حکم بھی ناممکن العمل ہے، اس لئے کہ ہر خرید و فروخت کے وقت اگر شہادت ضروری ہو تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اس مشکل کا صرف ایک ہی حل ہے وہ یہ کہ حدیث کی روشنی میں اس پر عمل کیا جائے، لہذا حدیث حجّت ہے۔

دلیل ۳۳ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلَى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ..... وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرۃ ۲۸۲)	جب تم آپس میں وقت مقررہ تک کے لئے قرض کا معاملہ کرو تو اُسے لکھ لیا کرو.... اور اس پر دو مرد گواہ کر لیا کرو۔

آیتِ بالا سے ثابت ہوا کہ ہر لین دین کا معاملہ لکھا جائے اور ایسا کرنا فرض ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چند دن یا چند گھنٹہ کے لئے کسی نے کسی سے ایک روپیہ یا اس سے کم رقم قرض لی تو کیا اسے بھی ضبطِ تحریر میں لانا ضروری ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس کا بھی لکھنا فرض ہے تو عمل ناممکن ہے۔ لہذا ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ آیت کا کوئی خاص مفہوم ہونا چاہیئے جو اسے قابلِ عمل بنا دے۔ اس مفہوم کو متعیّن کرنے کے لئے حدیث ہی کی ضرورت ہے لہذا حدیث حجّت ہے۔

دلیل ۳۴ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف ۳۱)	ہر مسجد کے پاس اپنی زینت لے لیا کرو۔

آیت سے نہیں معلوم ہوتا کہ مسجد سے کیا مراد ہے۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ زینت سے کیا مراد ہے۔ کیا اس میں زیورات، طُرّہ، شیروانی اور جراب وغیرہ بھی شامل ہیں؟ اگر آیت بالا میں "خُذُوْا" کے معنی پہن لو اور مسجد کے معنی نماز کر لئے جائیں.... (حالانکہ یہ بھی حدیث سے ہی معلوم ہوتا ہے)

پھر بھی آیت ناممکن العمل ہے۔ اس لئے کہ ہر نماز کے وقت تمام زینت کی چیزوں کا پہننا بڑا مشکل کام ہے، اور اس مشکل کو دور کرنے کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ حدیث کی روشنی میں آیت پر عمل کیا جائے تاکہ غیر ضروری تکلفات اور تمام اسبابِ زینت سے آراستہ ہونے کی تکلیف سے نجات مل جائے۔

خلاصہ غرض یہ کہ اس قسم کی بہت سی آیات ہیں جن پر بغیر حدیث کے عمل کرنا ناممکن ہے۔ لہذا حدیث حجت ہے۔

وضعِ احادیث

دلیل ۳۵ احادیث کیوں گھڑی گئیں؟ اس سوال کا جواب بہت آسان ہے اور وہ یہ کہ احادیث حجت سمجھی جاتی تھیں لہذا جب کسی فتنہ پرور کو یہ خواہش ہوتی کہ وہ اپنی بات منوائے تو اس کے ساتھ وہ ایک حدیث بھی گھڑ کر لگا دیا کرتا تھا۔ اگر حدیث حجت نہ ہوتی تو حدیث کا گھڑنا لغو اور لایعنی فعل ہوتا، لیکن اس برے فعل میں بھی اللہ تعالےٰ کی ایک مصلحت تھی اور وہ یہ کہ احادیث کی اہمیت اور حجیت ثابت ہو جائے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۔ (نور ۱۱)

تم اس تہمت کو برا نہ سمجھو بلکہ یہ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

تہمت اور وہ بھی دنیا کی بہترین اور سب سے زیادہ محترم خاتون پر کتنی اندوہناک اور شرمناک حرکت تھی لیکن اللہ تعالےٰ کو اس میں بھی کوئی بہتری منظور

تھی جس کی طرف اللہ تعالٰے نے اس آیت میں اشارہ فرما کر مسلمین کے غم و غصہ کو ٹھنڈا کر دیا۔

ایک اور جگہ اللہ تعالٰے کا ارشاد گرامی ہے۔

وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرة ۲۱۶)

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہوتی ہے اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہوتی ہے اور اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

وضعِ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے دور میں حدیث کو حجّت سمجھا جاتا تھا اور جو چیز اس وقت حجّت تھی پھر متواتر حجّت مانی جاتی رہی ہے وہ آج حجّت کیوں نہ ہوگی۔

غرض یہ کہ وضعِ احادیث جس پر آج مختلف قسم کے طعنے دیئے جاتے ہیں ہمیں بُرا ضرور معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں بھی ہمارے لئے ایک بہتری ہے، اور وہ یہ کہ اس کے ذریعہ سے بھی فتنہ انکارِ حدیث پر ایک کاری ضرب پڑتی ہے۔ فللہ الحمد۔

باب سوم

اطاعتِ رسولؐ فرض ہے

دلیل ۳۶ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (تغابن ۱۲)	اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اگر تم (اطاعتِ رسول سے) منہ موڑو تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے (تمہاری نافرمانی کا وہ ذمہ دار نہیں)۔

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض ہے لہٰذا حکمِ رسولؐ حجّت ہے۔

دلیل ۳۷ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ○ (آل عمران ۳۲)	کہدو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

گویا جو شخص اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مُنہ موڑے وہ کافر ہے، لہٰذا اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض ہے یعنی حدیث حجّت ہے۔

دلیل ۳۸ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ (نسآء ۴۲)

قیامت کے دن کافر اور وہ لوگ جنہوں نے رسول کی نافرمانی کی ہوگی یہ خواہش کریں گے کہ انہیں مٹی میں ملا کر برابر کر دیا جائے۔

آیتِ بالا سے معلوم ہوا کہ نجات، اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے، لہٰذا حدیثِ رسول حجت ہے۔

دلیل ۳۹ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ○ (جن ۲۳)

جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔

دلیل ۴۰ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ○ (مائدہ ۹۲)

اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو، پھر اگر تم نے منہ موڑا تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

دلیل ۴۱ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ (انفال ۱)

اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم مؤمن ہو۔

گویا مؤمن بننے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے لہٰذا حدیث حجت ہے۔

دلیل ۴۲ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (نور ۵۶)	اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم کے لئے اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شرط قرار دیا۔ لہٰذا حدیث حجت ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔ اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم عین اطاعتِ الٰہی ہے۔

دلیل ۴۳ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْہِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○ (نور ۵۴)	کہدو کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم (اطاعتِ رسول سے) منہ پھیرو تو رسول کے فرائض کی ذمہ داری رسول پر ہے اور تمہارے فرائض کی ذمہ داری تم پر ہے اور اگر تم اسکی اطاعت کروگے تو ہدایت یاب ہو جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو

صاف صاف پہنچا دینا ہے۔

اس آیت میں کس صراحت کے ساتھ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت کا حکم دینے کے بعد دوبارہ اس کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ پھر سارا زور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دیا۔ حتیٰ کہ یہاں تک فرما دیا کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہدایت مل سکتی ہے ورنہ سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ملے گا۔ اس کے معنی سوائے اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی اطاعتِ الٰہی کا واحد ذریعہ ہے، لہٰذا حدیث حجت ہے اور بغیر اس کے ہدایت ناممکن ہے۔

دلیل ۴۴ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَا (احزاب ۶۶)

جس دن ان کے منہ آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے تو کہیں گے لے کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

خلاصہ غرض یہ کہ اس قسم کی متعدد آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالےٰ نے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ پس اطاعتِ رسول فرض ہے، لہٰذا حدیث حجت ہے۔

منکرین حدیث کے شبہات

شبہ اوّل رسول سے مُراد قرآن مجید ہے لہذا قرآن کی اطاعت فرض ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

ازالہ قرآن مجید میں کہیں بھی قرآن کو رسول نہیں کہا گیا۔ برخلاف اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی، اسم گرامی ذکر کر کے متعدد مقامات پر آپؐ کو اللہ کا رسول کہا گیا۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح ۲۹) محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔

وَ مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ (آل عمران ۱۴۴) محمدؐ رسول ہی تو ہیں۔

لہذا رسول سے قرآن مُراد لینا سراسر باطل ہے۔

شبہ ثانی رسول سے مُراد مرکزِ ملت ہے۔ لہذا مرکزِ ملت کی اطاعت فرض ہے۔

ازالہ قرآن مجید میں کہیں بھی مرکزِ ملّت کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ صدہا مرتبہ رسول کا لفظ استعمال کرنا اور ایک مرتبہ بھی مرکزِ ملّت کے الفاظ استعمال نہ کرنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ رسول سے مراد مرکزِ ملّت ہرگز نہیں۔ اگر رسول سے مُراد مرکزِ ملت ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں اللہ تعالےٰ نے مرکزِ ملت کے الفاظ ایک جگہ بھی استعمال نہ کر کے پوری دنیائے اسلام کو گمراہی میں ڈال دیا۔ کیا اللہ تعالےٰ کو مرکزِ ملت کے الفاظ معلوم نہیں تھے؟ آخر کیا بات ہے؟ کیوں اس کا ذکر نہیں؟

شبہ ثالث کیونکہ اطاعتِ رسول کا حکم تمام مؤمنین کو دیا جا رہا ہے اور

مؤمنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حکم ہے کہ وہ رسول کی اطاعت کریں یعنی جس رسول کی اطاعت کرنی ہے وہ کوئی اور چیز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس سے مراد نہیں ہے۔

ازالہ اس اعتراض میں کوئی علمی نکتہ نہیں ہے بلکہ محض تعسف ہے۔ رسول اگرچہ مؤمن ہوتا ہے لیکن اس کا ذکر عام مؤمنین سے علیحدہ کیا جاتا ہے اس کو عام مؤمنین کے زمرہ میں شامل کر دینا بڑی زیادتی ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس قسم کی کوئی وضاحت نہیں بلکہ قرآن مجید رسول کو عام مؤمنین سے علیحدہ شمار کرتا ہے مثلاً ارشاد باری ہے۔

۱۔ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (منافقون ۸)

عزت اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہے اور مؤمنین کے لئے ہے۔

۲۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (مائدہ ۵۵)

تمہارا دوست تو اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں۔

۳۔ يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ (احزاب ۵۹)

اے نبی اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مؤمنین کی عورتوں سے کہدو کہ وہ نقاب ڈال لیا کریں۔

اگر مؤمنین میں رسول بھی شامل ہوتا تو پھر مؤمنین کی عورتوں کے زمرہ میں اس کی بیویاں بھی داخل ہو جاتیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے رسول کی بیویوں کا علیحدہ ذکر کیا اور مؤمنین کی بیویوں کا علیحدہ۔ لہذا ثابت ہوا کہ رسول عام مؤمنین کے زمرہ میں شامل نہیں ہوتا۔ اس کا علیحدہ بلند وارفع مقام ہے۔

۴۔ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهَاتُهُمْ (احزاب ۶)

نبی، مؤمنین کے نزدیک ان کی اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے اور نبی کی بیویاں مؤمنین کی مائیں ہیں۔

اس آیت میں بھی نبی کو مؤمنین سے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ اگر نبی کو مؤمنین میں شمار کیا جائے تو پھر مطلب یہ ہوگا کہ نبی کی بیویاں نبی کی مائیں ہیں اور یہ معنی سراسر باطل ہیں۔

۵۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ الّٰتِیْۤ اٰتَیْتَ اُجُوْرَهُنَّ ..... وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○ (احزاب ۵۰)

اے نبی ہم نے آپ کے لئے وہ بیویاں حلال کردیں جن کو آپ نے مہر ادا کر دیا ہے ...... اور وہ مؤمنہ عورت بھی حلال کر دی ہے جو اپنے نفس کو نبی کے لئے ہبہ کر دے اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے لیکن یہ حکم خالص آپ کے لئے ہے نہ کہ مؤمنین کے لئے۔

اس آیت نے بالکل واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام مؤمنین کے زمرہ میں شامل نہیں۔

۶۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ (البقرۃ ۲۸۵)	رسول اس چیز پر ایمان لایا جو اس کے رب کی طرف سے اس پر نازل ہوئی اور مؤمنین بھی۔

الغرض مندرجہ بالا آیات سے بالبداہت ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عام مؤمنین کی صف میں کھڑا کرنا قرآن مجید کے خلاف ہے، لہذا جہاں مؤمنین کو رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے وہاں مؤمنین میں رسول شامل نہیں ہے۔ رسول متبع وحی ہے اور مؤمنین متبع رسول۔ مؤمنین کا کام رسول کی فرمانبرداری کرنا ہے اور وہ بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

دلیل ۴۵ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نسآء ۶۴)	ہم رسول کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

لہذا رسول کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ مؤمنین کا مطاع ہوتا ہے۔ اور اس منصب کا تقاضا یہ ہے کہ اطاعتِ رسول کی جائے، اور ہر زمانہ میں کی جائے۔ اگر یہ منصب رسول کی زندگی کی حد تک ہوتا تو پھر اطاعتِ رسول کی فرضیت عارضی ہوتی اور اس کے لئے کسی اور قسم کے الفاظ ہوتے۔ اللہ تعالےٰ نے تمام مؤمنین پر رسول کی اطاعت فرض کر کے یہ ثابت کر دیا کہ مؤمن جہاں کہیں بھی ہو، جس زمانہ میں بھی ہو اس پر اطاعتِ رسول فرض ہے اور درحقیقت اطاعتِ رسول ہی وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعہ سے اطاعتِ الٰہی ہوتی ہے جو کہ مقصدِ

تخلیق انسانیت ہے۔

دلیل ۴۶ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (نسآء ۸۰) اور جس نے رسول کی اطاعت کی تو تحقیق اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

اللہ تعالےٰ اپنے کلام میں سینکڑوں مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کا تذکرہ کرتا ہے لیکن اس شدّ ومد اور کثرت سے قرآن مجید کا ذکر نہیں کرتا اور مرکزِ ملّت کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں کرتا۔ یہی چیز اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ اصل اطاعت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت ہے اس سے آزاد ہو کر کوئی شخص وحی الٰہی کے صحیح مفہوم تک نہیں پہنچ سکتا۔

شبہ بعض لوگوں کو اس جگہ شبہ ہوگا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک جگہ" اولوا الامر" کی اطاعت کا حکم دے کر مرکز ملّت کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ نہیں کہ سرے سے مرکز ملّت کا ذکر ہی نہیں کیا۔ لہٰذا ان کے شبہ کو دور کرنے کے لئے ہم اس بات کی وضاحت کر رہے ہیں کہ منکرین حدیث نے " اولوا الامر" سے مرکز ملّت مراد نہیں لیا بلکہ انہوں نے اس کے معنی چھوٹے اور ماتحت امیر کے لئے ہیں اور جب وہ خود ہی اس کے معنی مرکزِ ملّت نہیں کرتے تو ہمارا یہ بیان صحیح ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ایک بھی جگہ مرکزِ ملّت کا ذکر نہیں فرمایا۔

باب چہارم

حجّیت حدیث اور تواتر

دلیل ۴۷ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ سے آج تک حدیث کو حجّت سمجھا جاتا رہا۔ اگر ہر دور کے علماء کا عمل و عقیدہ اس سلسلہ میں تحریر کیا جائے تو کئی ضخیم کتابیں تیار ہو سکتی ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں اپنے اقوال و افعال کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

منکرینِ حدیث سے ایک سوال حجّیتِ حدیث کا عقیدہ متواتر ہے:
حجّیتِ حدیث کا عقیدہ رکھنے والوں کی ایک مستقل اور مسلسل تاریخ ہے۔ نہ اس میں قلت ہے نہ انقطاع ہے۔ پھر یہ تاریخ اتنی شاندار ہے کہ اس پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے منکرینِ حدیث کی کوئی تاریخ نہیں۔ پورے تیرہ سو سال بعد یہ وجود میں آئے۔ اگر منکرینِ حدیث کے پاس ان کی کوئی تاریخ ہے تو پیش کریں۔ وہ ہمیں بتائیں کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں وہ کہاں چھپے بیٹھے تھے؟ ان میں کون کون سے ائمہ دین پیدا ہوئے۔ کون مجدد تھا۔ کون کون سے مصلح وجود میں آئے اور مسلمین کی اصلاح کرتے رہے؟ وہ کون سے صحابی تھے جو حدیث کو حجّت نہیں مانتے تھے؟ تمہاری تاریخ کے امام مالک۔ امام اوزاعی۔ امام بخاری وغیرہ کہاں غائب ہیں؟ تمہاری تاریخ کے خلفاء راشدین کہاں مستور ہیں؟ کاش منکرینِ حدیث ٹھنڈے دل سے اس پر غور کرتے اور اپنی اصلاح

کر لیتے ۔ اگر اب بھی وہ اس پر اصرار کریں تو ان کا جواب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ گذشتہ تیرہ صدیوں میں اسلام تھا کہاں ؟ اسلام تو اب طلوع ہو رہا ہے۔ اگر وہ یہ جواب دیں گے تو ہم یہ پڑھیں گے ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

صحابۂ کرام سے حجّیتِ حدیث کا ثبوت

دلیل ۴۸ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اپنا ورثہ طلب کیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا :

لَسْتُ تَارِکًا شَیْئًا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعْمَلُ بِہٖ اِلَّا عَمِلْتُ بِہٖ فَاِنِّیْ اَخْشٰی اِنْ تَرَکْتُ شَیْئًا مِّنْ اَمْرِہٖ اَنْ اَزِیْغَ۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

میں ایسا کوئی کام ترک نہیں کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کیا کرتے تھے ، بلکہ میں اسی کام کو کرتا رہوں گا کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے کسی امر کو چھوڑ دوں گا تو گمراہ ہو جاؤں گا۔

دلیل ۴۹ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی قسم کے مقدمہ کے دوران اپنی خلافت کے زمانہ میں فرمایا تھا۔

فَعَمِلَ فِیْہَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنَّہٗ فِیْہَا لَصَادِقٌ بَارٌّ

ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس معاملہ میں وہی عمل کیا جو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کرتے تھے اور اللہ

رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

جانتا ہے کہ بے شک ابوبکرؓ سچے تھے، نیکوکار تھے، ہدایت یاب اور حق کے تابع تھے۔

پھر فرمایا۔

اَعْمَلُ فِیْهَا بِمَا عَمِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

میں بھی اسی طرح عمل کرتا رہوں گا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا ہے۔

پھر فریقین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارا (یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

ورثہ کی تقسیم کے سلسلے میں قرآن مجید کے لحاظ سے نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں، ہر ایک کا ترکہ تقسیم ہونا چاہیئے۔ مذکورہ بالا حدیث قرآن مجید کی مخصص ہے اور بظاہر قرآن مجید کے خلاف نظر آتی ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے علی الاعلان تمام صحابہ کی موجودگی میں اس کو پیش کیا اور بطور حجت شرعیہ تسلیم کیا۔ نہ فریقین مقدمہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے اس کی تردید کی، نہ صحابہؓ کے مجمع سے کوئی آواز اٹھی کہ حدیث حجت نہیں، نہ یہ آواز اٹھی کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔ تمام صحابہؓ نے اسے تسلیم کیا اور حجت مانا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

فَوَاللّٰهِ الَّذِیْ بِاِذْنِهٖ تَقُوْمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ لَا اَقْضِیْ فِیْهَا قَضَاءً غَیْرَ ذٰلِكَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ	قسم اُس اللہ کی جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں میں قیامت تک اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نتیجہ | تمام صحابہؓ کے اجماع سے ثابت ہوا کہ حدیث قیامت تک کے لئے حجت ہے۔

دلیل نمبر ۵۰ | مانعین زکوٰۃ۔ سے جب حضرت ابوبکرؓ نے قتال کا ارادہ کیا تو وہ حضرت عمرؓ ہی تھے جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی مخالفت کی اور حجت میں حدیث کو پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَهٗ وَنَفْسَهٗ اِلَّا بِحَقِّهٖ وَحِسَابُهٗ عَلَی اللّٰهِ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)	مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں۔ پھر جس نے لا الٰہ الا اللہ کہہ لیا تو اُس نے مجھ سے اپنے مال اور اپنی جان کو بچا لیا، مگر کلمہ کا حق لیا جائے گا اور اس شخص کا حساب اللہ کے ذمّہ ہوگا۔

صحابہؓ کی موجودگی میں یہ حدیث پڑھی گئی، کسی نے اس کے حجت ہونے سے انکار نہیں کیا۔ کیونکہ یہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں لہذا ثابت ہوا کہ ان کا

عقیدہ تھا کہ حدیث کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوتے تھے مزید برآں یہ بھی ثابت ہوا کہ وہ حدیث کو صرف وحی ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ حجّتِ شرعیہ بھی سمجھتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے جواباً فرمایا۔

فَاِنَّ الزَّکٰوۃَ حَقُّ الْمَالِ۔	بے شک زکوٰۃ مال کا حق ہے۔

گویا حضرت ابوبکرؓ نے حدیث کے کلمہ " اِلَّا بِحَقِّہٖ " سے استدلال کیا اور حضرت عمرؓ و دیگر صحابہؓ نے اس استدلال کو صحیح مانا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔

فَعَرَفْتُ اَنَّہُ الْحَقُّ	میں سمجھ گیا کہ بے شک یہی حق ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

دلیل ۵۱ مطلقہ عورت کی رہائش اور نفقہ کے مقدمہ میں حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

لَانَتْرُكُ كِتَابَ اللهِ وَ سُنَّةَ نَبِيِّنَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کی سنّت کو نہیں چھوڑیں گے۔

(صحیح مسلم باب المطلقۃ ثلاثا لانفقۃ لھا)

صحابہؓ نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ لہذا ثابت ہوا کہ تمام صحابہ سنّت کو حجّت سمجھتے تھے۔

دلیل ۵۲ حجِ تمتع کو حضرت عمرؓ نے اس لئے تسلیم نہیں کیا کہ ان

کے نزدیک اس کا حکم نہ قرآن میں تھا نہ حدیث میں۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

اِنْ نَأْخُذْ بِکِتَابِ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ یَأْمُرُنَا بِالتَّمَامِ وَاِنْ نَأْخُذْ بِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِنَّہٗ لَمْ یَحِلَّ حَتّٰی نَحَرَ الْھَدْیَ (صحیح بخاری باب من اَھَلّ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

اگر ہم اللہ کی کتاب کو لیں تو وہ ہمیں حج و عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیتی ہے اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو لیں تو آپؐ نے بھی احرام نہیں کھولا جب تک قربانی کو نحر نہ کر لیا۔

صحابہؓ نے اس کا انکار نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام صحابہؓ حدیث کو بھی ماخذ قانون مانتے تھے۔

انتباہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام نہیں کھولا جب تک قربانی نہیں کی، جنہوں نے یہ فعل دیکھا تھا وہ اسی کو ضروری سمجھتے رہے، مثلاً حضرت عمرؓ لیکن جن لوگوں کو آپ نے احرام کھولنے کی اجازت دے دی تھی وہ اسے ہی قانونِ شریعہ سمجھتے رہے مثلاً

دلیل ۵۳ حضرت عمرانؓ نے حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ کا انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

لَمْ یَنْہَ حَتّٰی مَاتَ (صحیح بخاری کتاب التفسیر و صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں کیا یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوگئی۔

گویا حضرت عمران بن حصینؓ نے تمتّع کی حدیث پر عمل کیا اور اس کو اس لئے

واجب التعمیل سمجھا کہ آپؐ نے آخر وقت تک اس سے منع نہیں کیا تھا۔

انتباہ جو شخص قربانی کا جانور لے کر جائے اسے احرام نہیں کھولنا چاہیئے جب تک قربانی نہ کرلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا تھا۔ صحابہ کرامؓ کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا لہذا جن صحابہؓ کے ساتھ قربانی کا جانور تھا انہوں نے عمرہ کر کے احرام نہیں کھولا لیکن ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جس شخص کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو وہ عمرہ کر کے احرام کھول دے، لہذا جن صحابہؓ کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عمرؓ کا فتویٰ حدیث کے پہلے حصہ کے مطابق تھا لیکن دوسرے حصہ کے خلاف تھا لہذا حضرت عمرانؓ نے اس فتویٰ کو تسلیم نہیں کیا اور حدیث کو حجّت مانا، گویا ان کے نزدیک حدیث حجّت تھی نہ کہ مرکزِ ملّت کا فتویٰ۔ حضرت عمرؓ کو اس سلسلہ میں جو غلط فہمی ہوئی اس کا ذکر احادیث کی کتابوں میں موجود ہے جس کا لُبِ لباب یہ ہے کہ انہوں نے تمتّع کی اجازت کو عام نہیں سمجھا تھا۔

دلیل ۵۴ ایک عورت اپنے پوتے کے ترکہ میں سے اپنا ورثہ لینے آئی حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا:

مَا لَكِ فِي كِتَابِ اللهِ مِنْ شَيْئٍ وَ مَا عَلِمْتُ لَكِ فِي سُنَّةِ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا۔ (ابوداؤد، ترمذی)	نہ کتاب اللہ میں تیرا کوئی حصہ مقرر ہے، نہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں تیرا کوئی حصہ مقرّر ہے۔

اس کے بعد فرمایا "پھر آنا، میں لوگوں سے دریافت کروں گا"۔ پس انہوں

نے لوگوں سے دریافت کیا۔ حضرت مغیرہؓ اور حضرت محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دادی کو چھٹا حصّہ دیا تھا۔ پس حضرت ابوبکرؓ
نے بھی چھٹا حصّہ اس عورت کو دے دیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس متوفی کی نانی
میراث مانگنے آئی انہوں نے فرمایا:

مَا اَنَا بِزَائِدٍ فِی الْفَرَائِضِ وَلٰكِنْ هُوَ ذٰلِكَ السُّدُسُ فَاِنِ اجْتَمَعْتُمَا فِيْهِ فَهُوَ بَيْنَكُمَا۔ (ابوداؤد و ترمذی)

میں مقررہ حصّہ میں زیادتی نہیں کر سکتا۔ دادی، نانی کا چھٹا حصّہ ہے۔ اگر تم دونوں جمع ہو گئی ہو تو چھٹا حصّہ دونوں میں تقسیم ہوگا۔

دادی یا نانی کا حصّہ قرآن مجید میں نہیں ہے، حدیث میں ہے، لیکن حضرت
عمرؓ اُس کو ابدی قانون سمجھتے تھے اور اس کو تبدیل نہیں کر سکتے تھے۔ گویا مرکز ملت
کے لئے بھی حدیث کو قانون سمجھنا ضروری ہے اور اس میں کمی بیشی کا اختیار اسے
نہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور تمام
صحابہؓ حدیث کو حجّت شرعیہ سمجھتے تھے۔

دلیل ۵۵ حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔

كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا وَ لَا يُصَلِّيْهِمَا فِی الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ اَنْ يُّثَقِّلَ عَلٰی اُمَّتِهٖ وَ كَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے لیکن مسجد میں نہیں پڑھتے تھے اس ڈر سے کہ کہیں امت پر بوجھ نہ ہو جائے اور آپ امت پر تخفیف کو پسند کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ کے نزدیک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا امت کے لئے ضروری ہے۔

دلیل ۵۶ سراقہ بن مالکؓ پوچھتے ہیں:

اَلَكُمْ هٰذِهٖ خَاصَّةً يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا، بَلْ لِلْاَبَدِ۔ (صحیح بخاری باب عمرۃ التنعیم وروٰی مسلم نحوہ)

کیا حج تمتع آپ لوگوں کے لئے خاص ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے یہی حکم ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احکامِ حدیث قیامت تک کے لئے حجت ہیں۔

دلیل ۵۷ زبیر بن عربی کہتے ہیں۔

سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ اسْتِلَامِ الْحَجَرِ فَقَالَ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ قَالَ قُلْتُ اَرَأَيْتَ اِنْ زُحِمْتُ اَرَأَيْتَ اِنْ غُلِبْتُ قَالَ اجْعَلْ اَرَأَيْتَ بِالْيَمَنِ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَلِمُهٗ وَيُقَبِّلُهٗ (صحیح بخاری باب تقبیل الحجر)

ایک شخص نے عبداللہ بن عمرؓ سے حجرِ اسود کو چھونے کے متعلق سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے چھوتے اور اس کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس نے کہا آپ کی کیا رائے ہے اگر میں ہجوم میں گھر جاؤں، اگر میں مغلوب ہو جاؤں (تو کیا کروں؟) فرمایا یہ اپنی اگر مگر یمن میں رکھو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے چھوتے اور اس

کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا عقیدہ تھا کہ خواہ حالات کتنے ہی ناساز گار ہوں، سنّتِ رسول چھوڑی نہیں جاسکتی اور یہ بھی ثابت ہوا کہ سنّت ہمیشہ سب لوگوں کے لئے واجب الاتباع ہے نہ کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تک جیسا کہ منکرینِ حدیث کا خیال ہے۔

دلیل ۵۸ عروہ بن زبیرؒ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا قرآن سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کا طواف نہ کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ فرمایا۔

بِئْسَ مَا قُلْتَ .... وَقَدْ سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الطَّوَافَ بَیْنَھُمَا فَلَیْسَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّتْرُکَ الطَّوَافَ بَیْنَھُمَا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تم نے بُری بات کہی ... بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے طواف کو سنّت قرار دیا ہے، لہذا اب کسی کو اختیار نہیں کہ ان کے طواف کو چھوڑ دے۔

گویا حضرت عائشہؓ باوجود قرآنِ مجید کی ظاہری اجازت کے سنّتِ رسول کو چھوڑنا جائز نہیں سمجھتی تھیں۔

دلیل ۵۹ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالے عنہ فرماتے ہیں:

لَا نُرِیْدُ تَغْیِیْرَ مَا اَمَرَ بِہٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ (صحیح مسلم باب وجوب المبیت بمنیٰ لیالی ایام التشریق)

جس چیز کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اس میں ہم تبدیلی کا ارادہ نہیں کرسکتے۔

دلیل نمبر ۶۰ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے ایک فتویٰ کے خلاف علی الاعلان فرمایا۔

مَاکُنْتُ لِاَدَعَ سُنَّةَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ اَحَدٍ۔ (صحیح بخاری کتاب المناسک)

میں کسی بھی شخص کے قول کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت کو نہیں چھوڑ سکتا۔

گو یا حضرت علیؓ اس بات کے قائل تھے کہ حدیث قیامت تک کے لئے حجّت ہے۔ مرکزِ ملت کا فتویٰ حجّت نہیں، اسی لئے انہوں نے خلیفۂ وقت مرکزِ ملت حضرت عثمانؓ کے قول کو مسترد کر دیا لیکن حدیث کو نہ چھوڑا۔

(نوٹ: حضرت عثمانؓ سے یہ فتویٰ غلط فہمی کی وجہ سے صادر ہوا تھا)

دلیل نمبر ۶۱ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح عرض کیا۔

اِبْعَثْ مَعَنَا رِجَالاً یُعَلِّمُوْنَا الْقُرْاٰنَ وَالسُّنَّةَ فَبَعَثَ اِلَیْہِمْ سَبْعِیْنَ رَجُلاً مِنَ الْاَنْصَارِ۔ (صحیح مسلم باب ثبوت الجنۃ للشہید)

ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھیج دیجئے جو ہمیں قرآن وسنّت کی تعلیم دیں۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ستّر انصار ان کے ساتھ روانہ کر دیئے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ سنّت کو بھی جزوِ دین سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اس سے انکار نہیں فرمایا۔

دلیل نمبر ۶۲ ایک غلام نے کسی کے باغ میں سے کچھ چرایا۔ مالک نے حضرت مروانؒ حاکم مدینہ کے پاس استغاثہ کیا۔ حضرت مروانؒ نے غلام کو قید کر دیا اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا۔ حضرت رافع بن خدیجؓ نے حضرت مروان کو خبردار کیا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا قَطْعَ فِیْ ثَمَرٍ وَّلَا کَثَرٍ۔ پھل اور کھجور کا گودا چرانے پر ہاتھ نہ کاٹا جائے۔

محمد بن یحییٰ کہتے ہیں۔

فَاَمَرَ مَرْوَانُ بِالْعَبْدِ فَاُرْسِلَ۔ (ابوداؤد کتاب الحدود) پھر حضرت مروانؒ نے حکم دیا کہ غلام چھوڑ دیا جائے لہٰذا وہ چھوڑ دیا گیا۔

دلیل ۶۳ حضرت عمرؓ نے ایک پاگل عورت کو جس سے زنا کا ارتکاب ہوا تھا سنگسار کرنا چاہا۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو وہ آئے اور کہا۔ اے امیر المؤمنین:

آمَا عَلِمْتَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْقَلَمَ قَدْ رُفِعَ عَنْ ثَلَاثَۃٍ عَنِ الْمَجْنُوْنِ حَتّٰی یَبْرَءَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰی یَسْتَیْقِظَ وَعَنِ الصَّبِیِّ حَتّٰی یَعْقِلَ قَالَ بَلٰی قَالَ فَمَا بَالُ ھٰذِہٖ تُرْجَمُ قَالَ لَا شَیْئَ قَالَ فَاَرْسِلْھَا قَالَ فَاَرْسَلَھَا قَالَ فَجَعَلَ یُکَبِّرُ۔ (ابوداؤد کتاب الحدود)

کیا آپ کو نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تین آدمیوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے: "پاگل سے جب تک وہ اچھا نہ ہو جائے سونے والے سے جب تک وہ جاگ نہ جائے۔ بچے سے جب تک وہ سمجھ دار نہ ہو جائے۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا کیوں نہیں۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ پھر آپ اُسے کیوں سنگسار کر رہے ہیں۔ فرمایا کوئی بات نہیں ہے۔ کہا تو

پھر اسے چھوڑ دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے
اُسے چھوڑ دیا اور اللہ اکبر کہنے لگے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور تمام صحابہؓ حدیث کو حجت سمجھتے تھے۔ حدیث کے موافق عمل کرتے تھے۔ مرکزِ ملت بھی حدیث ہی کا فرمانبردار تھا۔ پہلے سنگسار کی سزا تجویز کرنا اور بعد میں اس پاگل عورت کو چھوڑ دینا دونوں کام حدیث ہی کے مطابق تھے۔

دلیل ۶۴ پیٹ کا بچہ گرانے کے قصاص کا مقدمہ حضرت عمرؓ کے دربار میں پیش ہوا۔

اَنَّهٗ سَأَلَ عَنْ قَضِيَّةِ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ ذٰلِكَ۔

حضرت عمرؓ نے اس مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دریافت کیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی اطلاع آپ کو دی گئی تو منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَوْ لَمْ اَسْمَعْ بِهٰذَا لَقَضَيْنَا بِغَيْرِ هٰذَا۔

اللہ اکبر، اگر ہم یہ فیصلہ نہ سنتے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیتے۔

(ابو داؤد کتاب الدیات جلد ۲ صٓ ۲۸۱)

صحابہؓ کے مجمع میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کہا کہ آخر حدیث کے خلاف فیصلہ کرنے پر افسوس و ملال کا اظہار کیوں کیا جا رہا ہے؟ حدیث حجت ہی کب ہے کہ اس کے خلاف فیصلہ کو اتنی اہمیت دی جائے۔ نہیں بلکہ حضرت عمرؓ

(مرکزِ ملت) اور تمام صحابہؓ یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ احکام حدیث حجت شرعیہ ہیں۔

دلیل ۶۵ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

اِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثًا فَلَاَنْ اَخِرَّ مِنَ السَّمَآءِ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَكْذِبَ عَلَيْهِ۔ (ابوداؤد)	جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناؤں تو میں اسے زیادہ پسند کرتا ہوں کہ آسمان پر سے گر پڑوں بہ نسبت اس کے کہ آپ پر جھوٹ بولوں۔

پھر حضرت علیؓ نے خارجیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پیشین گوئی سنائی۔ (ابوداؤد کتاب السنۃ)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک حدیث کی کتنی بڑی اہمیت تھی۔ وہ حدیث کی پیشین گوئیوں پر ایمان رکھتے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ پیشین گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کی؟ ضرور وحی آئی ہوگی۔ لہذا حضرت علیؓ کے عقیدہ کے مطابق وہ پیشین گوئی وحی الٰہی ہوئی۔ یعنی حدیث وحی ہے لہذا حجت ہے۔

دلیل ۶۶ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے گودنے والیوں، بال صاف کرنے والیوں، دانتوں کو چھیدنے والیوں اور اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر لعنت کی۔

ایک خاتون ام یعقوب نے اعتراضًا کہا کہ آپ نے اس طرح لعنت کیسے کی؟ فرمایا:

وَ مَا لِیَ لَا اَلْعَنُ مَنْ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ۔

میں کیوں اس پر لعنت نہ کروں جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور یہ لعنت اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔

اُمِّ یعقوب کہنے لگیں:

لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَیْنَ اللَّوحَیْنِ فَمَا وَجَدْتُّہٗ۔

تحقیق میں نے پورا قرآن پڑھا ہے، مجھے تو یہ چیز اس میں نہیں ملی۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا۔

وَاللّٰہِ لَئِنْ قَرَأْتِیْہِ لَقَدْ وَجَدْتِّیْہِ ثُمَّ قَرَأَ: وَمَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا۔ (صحیح بخاری کتاب اللباس)

اللہ کی قسم اگر تم نے قرآن مجید پڑھا ہوتا تو یہ چیز تم کو ضرور مل جاتی پھر یہ آیت پڑھی (اللہ تعالےٰ فرماتا ہے) جو رسولؐ تم کو دے وہ لے لو اور جس سے روک دے اس سے رُک جاؤ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مسعودؓ حدیث کو بھی کتاب اللہ سمجھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا وہ قرآن مجید کی طرح حجت ہے۔ اسی آیت کو عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ نے بھی حجیت حدیث کی دلیل میں پیش کیا تھا۔

(سنن نسائی کتاب الاشربۃ باب ذکر الدلالۃ علی النھی للموصوف عن الاوعیۃ التی تقدم ذکرھا کان حتماً)

دلیل ۶۷ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ورثہ کے ایک مقدمہ میں فیصلہ کیا۔ اور کہا کہ ابن مسعودؓ سے بھی دریافت کرلینا وہ میری تائید کریں گے۔
ابن مسعودؓ نے فرمایا:

لَقَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ أَقْضِيْ فِيْهَا بِمَا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (صحیح بخاری کتاب الفرائض)	اگر میں وہی فیصلہ کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت والوں میں سے نہ رہوں گا بلکہ میں تو وہی فیصلہ کروں گا جو فیصلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے۔

حضرت ابوموسیٰؓ نے فرمایا "ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے نہ پوچھا کرو" گویا دونوں صحابیوں کے نزدیک حدیث کے خلاف فیصلہ کرنا ضلالت ہے۔

دلیل ۶۸ عبداللہ بن السعدی کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھے عامل مقرر کیا تو اس کی تنخواہ دینی چاہی۔ میں نے کہا کہ میں نے یہ کام اللہ کے لئے کیا ہے، میرا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، جو دیا جا رہا ہے لے لو، اس لئے کہ

اِنِّيْ عَمِلْتُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَمَّلَنِيْ۔ (صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ و روی البخاری نحوہٗ فی کتاب الاحکام)	میں نے بھی یہ خدمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں انجام دی تھی اور آپؐ نے مجھے تنخواہ دی تھی۔

دلیل ۶۹ ورثہ کے ایک مقدمہ میں حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ مقتول کی بیوہ کو دیت میں سے کچھ نہیں ملے گا۔ حضرت ضحاکؓ نے ان کو لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ کو دیت میں سے حصہ دیا تھا۔

فَرَجَعَ عُمَرُ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (ابوداؤد کتاب الخراج وروی الترمذی نحوہ)	پس حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے فیصلہ سے رجوع کرلیا۔

دلیل نمبر ۷۰ حضرت عمرؓ قرآن کے مطابق اہل کتاب سے جزیہ لیا کرتے تھے۔ مجوس سے جزیہ نہیں لیتے تھے لیکن جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا ہے تو پھر وہ بھی لینے لگے۔ (صحیح بخاری)

مندرجہ بالا آثار سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ حدیث کو حجت شرعیہ سمجھتے تھے۔

دلیل نمبر ۷۱ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ زمین کرائے پر دیا کرتے تھے۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے تو کرایہ پر دینا چھوڑ دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الحرث والمزارعۃ)

گویا عبداللہ بن عمرؓ نے حدیث کو حجت سمجھا۔ مرکزِ ملت سے رجوع نہیں فرمایا۔

دلیل نمبر ۷۲ ایک شخص نے حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے کہا۔

اِنَّکُمْ لَتُحَدِّثُوْنَا بِاَحَادِیْثَ مَا نَجِدُ لَهَا اَصْلاً فِی الْقُرْاٰنِ ـــ فَغَضِبَ عِمْرَانُ وَ قَالَ لِلرَّجُلِ اَوَجَدْتُمْ فِیْ کُلِّ اَرْبَعِیْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَمِنْ کُلِّ کَذَا	آپ ہمیں ایسی احادیث سناتے ہیں جن کی اصل قرآن میں نہیں ملتی ـــ اس بات پر حضرت عمران رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو غصہ آگیا۔ فرمایا "کیا تمہیں قرآن میں یہ ملتا ہے کہ ہر چالیس درہموں میں

وَكَذَا ..... أَوَجَدْتُمْ هٰذَا فِي الْقُرْاٰنِ قَالَ لَا قَالَ فَعَمَّنْ أَخَذْتُمْ هٰذَا؟ أَخَذْتُمُوْهُ عَنَّا وَأَخَذْنَاهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَكَرَ أَشْيَاءَ نَحْوَ هٰذَا۔ (ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ)

سے ایک درہم زکوٰۃ نکالو وغیرہ وغیرہ کیا تمہیں قرآن میں یہ سب کچھ ملتا ہے" اس شخص نے کہا نہیں۔ فرمایا "پھر تم نے کس سے حاصل کیا؟ تم نے ہم سے لیا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے" اسی طرح انہوں نے اور بہت سی چیزوں کا ذکر کیا (جو قرآن مجید میں نہیں ہیں لیکن حدیث میں ہونے کی وجہ سے سب مانتے ہیں)

گویا حضرت عمرانؓ کے نزدیک احکام حدیث، قرآن مجید کی طرح حجّت تھے۔ وہ لوگ اس سے سبق حاصل کریں جو یہ کہدیا کرتے ہیں کہ یہ حکم قرآن میں تو کہیں نہیں ہے۔

دلیل ۳۷ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمرؓ کو ایک حدیث سنائی۔ حضرت عمرؓ نے کہا "گواہ لاؤ ورنہ سزا دوں گا" انہوں نے گواہ پیش کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

أَحْبَبْتُ أَنْ أَتَثَبَّتَ (صحیح مسلم)

میں نے چاہا کہ تحقیق کر لوں۔

پھر فرمایا:

إِنِّي لَمْ أَتَّهِمْكَ وَلٰكِنَّ الْحَدِيْثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

میں تمہیں جھوٹ کی تہمت نہیں لگاتا مگر بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

وَسَلَّمَ شَدِيْدًا (ابوداؤد) وَفِيْ رِوَايَةٍ اِنِّيْ لَمْ اَتَّهِمْكَ وَلٰكِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ يَّتَقَوَّلَ النَّاسُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (موطا، امام مالک وابوداؤد کتاب الادب)

علیہ وسلم کی حدیث کا معاملہ بہت سخت ہے۔ میں ڈرا کہ کہیں لوگ جھوٹی حدیث نہ بنانے لگیں۔

گویا حضرت عمرؓ حدیث کو بہت بڑا درجہ دیتے تھے اور صرف اسی لئے کہ وہ ابدی قانون کا درجہ رکھتی ہے ورنہ اس کی اہمیت کی اور کوئی وجہ نہیں۔

دلیل ۲۴ امیہ رحؒ کہتے ہیں میں نے ابن عمرؓ سے کہا۔

كَيْفَ تَقْصُرُ الصَّلٰوةَ وَاِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ يَا ابْنَ اَخِيْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَانَا وَنَحْنُ ضُلَّالٌ فَعَلَّمَنَا فَكَانَ فِيْمَا عَلَّمَنَا اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَمَرَنَا اَنْ نُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ فِى السَّفَرِ۔ (نسائی باب کیف فرضت الصلوٰۃ وروی ابن حبان فی صحیحہ نحوہ)

آپ (امن کے) سفر میں نمازیں قصر کیسے کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم خوف کی وجہ سے نمازیں کمی کر دو۔ ابن عمرؓ نے فرمایا اے بھتیجے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف مبعوث کئے گئے اس حالت میں کہ ہم گمراہ تھے پس آپ نے ہمیں تعلیم دی تو جن باتوں کی آپؐ نے ہمیں تعلیم دی ان میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ عزّ وجلّ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ سفر میں ہم دو رکعت پڑھا کریں۔

اس اثر سے ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام احادیث کو بھی من جانب اللہ سمجھتے تھے اور باوجود اس بات کے کہ وہ بظاہر قرآن کے خلاف معلوم ہوتی تھیں انہیں حجّتِ شرعیہ سمجھتے تھے۔

دلیل ۷۵ ابن سمطؒ کہتے ہیں :۔

رَأَیْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ صَلَّی بِذِی الْحُلَیْفَةِ رَکْعَتَیْنِ فَقُلْتُ لَهٗ فَقَالَ اِنَّمَا اَفْعَلُ کَمَا رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَفْعَلُ (صحیح مسلم باب صلوٰۃ المسافرین)	میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ قصر کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا میں تو اسی طرح کرتا ہوں جس طرح میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

باوجود اس کے کہ بحالتِ امن سفر میں قصر کرنے کی اجازت قرآن مجید سے ثابت نہیں لیکن حضرت عمرؓ پھر بھی قصر کرتے ہیں اور حدیث کو حجّت سمجھتے ہیں۔

دلیل ۷۶ ایک صاحب نے حدیث کے مقابلہ میں قیاس آرائی کی تو حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا۔

صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَذَبْتَ اَنْتَ۔ (نسائی کتاب الجنائز باب النیاحۃ علی المیّت)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے اور تو نے غلط کہا ہے۔

دلیل ۷۷ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ فَإِنِّيْ لَا أَدْرِيْ لَعَلِّيْ لَا أَحُجُّ بَعْدَ عَامِيْ هٰذَا۔ (نسائی جلد ۲ صـ۴۲

اے لوگو! مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو۔ مجھے نہیں معلوم شاید میں اس سال کے بعد حج نہ کرسکوں۔

باب الرکوب إلی الجمار)

مطلب ظاہر ہے کہ احادیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حجت شرعیہ ہیں اور یہی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا تھا۔

دلیل ۷۸ | رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ان کے چچا ظہیر رضؓ نے بیان کیا کہ

لَقَدْ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا قُلْتُ مَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ قَالَ دَعَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ بِمَحَاقِلِكُمْ قُلْتُ نُوَاجِرُهَا عَلَى الرُّبُعِ ...... قَالَ لَا تَفْعَلُوْا اِزْرَعُوْهَا أَوْ أَزْرِعُوْهَا أَوْ أَمْسِكُوْهَا قَالَ رَافِعٌ قُلْتُ سَمْعًا وَطَاعَةً (صحیح بخاری کتاب الحرث)

تحقیق ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کام سے منع کیا جس میں ہمیں بڑی آسانی تھی، میں نے کہا جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حق ہے، ظہیرؓ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور فرمایا تم اپنے کھیتوں کا کیا کرتے ہو، میں نے کہا ہم اس کو چوتھائی کے عوض میں کرایہ پر دے دیتے ہیں.... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا مت کرو، کھیتی کرو یا کھیتی کراؤ یا اسے روکے رکھو۔ رافعؓ نے کہا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

بتائی کا یہ مسئلہ قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے، پھر بھی دونوں صحابی اسے تسلیم کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی تسلیم کرتے ہیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صرف آپ کی زندگی تک نہیں ہے بلکہ قیامت تک کے لئے ہے۔

دلیل ۷۹ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ایک مجمع میں کہا:

اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ لُبْسِ الذَّھَبِ اِلَّا مُقَطَّعًا قَالُوْا اَللّٰھُمَّ نَعَمْ (نسائی و ابوداؤد و احمد)	کیا تم جانتے ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا پہننے سے منع فرمایا ہے مگر یہ کہ وہ قطع کیا گیا ہو (یعنی اس کو کاٹ چھانٹ کر زیور بنا لیا گیا ہو) صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے کہا اللہ کی قسم ہاں۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ اور مرکزِ ملت حدیث کو حلت و حرمت کے معاملہ میں حجت شرعیہ سمجھتے تھے۔

دلیل ۸۰ ضحاک بن قیس نے کہا تمتع وہ کرے گا جو اللہ کے حکم سے جاہل ہوگا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔

بِئْسَ مَا قُلْتَ یَا ابْنَ اَخِیْ۔	اے بھتیجے تم نے بری بات کہی۔

ضحاک نے کہا:

اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ نَھٰی عَنْ ذَالِكَ۔	بے شک حضرت عمرؓ نے اس سے منع کیا ہے۔

حضرت سعدؓ نے کہا:

قَدْ صَنَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ صَنَعْنَاهَا مَعَهٗ۔ (ترمذی کتاب الحج)	تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے اور ہم نے بھی آپؐ کے ساتھ کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ نے مرکزِ ملت حضرت عمرؓ کے فتویٰ کو حجت نہیں سمجھا بلکہ حدیث کو حجت سمجھا۔

دلیل ۸۱ ایک شامی شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے حج تمتع کے متعلق سوال کیا، حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا حلال ہے۔ شامی نے کہا تمہارے والد نے تو اس سے منع کیا ہے۔

قَالَ اِنْ كَانَ اَبِىْ نَهٰى عَنْهَا وَصَنَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْرُ اَبِىْ يُتَّبَعُ اَمْ اَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ بَلْ اَمْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَقَدْ صَنَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (ترمذی)	فرمایا، ”اگر میرے باپ نے منع کیا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کیا ہو تو میرے باپ کی بات مانی جائے گی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔“ اس شخص نے کہا: ”نہیں بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی مانی جائے گی۔“ حضرت عبداللہ نے فرمایا ”یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج تمتع کیا ہے۔“

گویا عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کی بات نہ بہ حیثیت مرکزِ ملت کے مانی، نہ بہ حیثیت والد کے۔ انہوں نے مرکزِ ملت کے فتویٰ کو حجت نہیں سمجھا، وہ یہی سمجھتے تھے کہ

بس حدیث ہی حجت ہے اور یہی اس زمانہ کے عام لوگوں کا حال تھا۔

دلیل ۸۲ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فریعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

اُمْکُثِیْ فِیْ بَیْتِكِ حَتّٰی یَبْلُغَ الْکِتَابُ اَجَلَہٗ۔

تم اپنے گھر میں رہو جب تک عدت کی مدت پوری ہو۔

لہٰذا وہ چار مہینہ دس دن وہاں عدت میں بیٹھیں۔ وہ کہتی ہیں۔

فَلَمَّا کَانَ عُثْمَانُ اَرْسَلَ اِلَیَّ فَسَاَلَنِیْ عَنْ ذٰلِكَ فَاَخْبَرْتُہٗ فَاتَّبَعَہٗ وَقَضٰی بِہٖ۔ (ترمذی ابواب الطلاق)

جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے کسی کو میرے پاس بھیجا۔ اس نے مجھ سے یہ حدیث دریافت کی۔ میں نے اس کو یہ حدیث بتا دی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اسی کی پیروی کی اور اُسی کے مطابق فیصلہ کیا۔

گویا مرکزِ ملت بھی احادیث کو حجت شرعیہ سمجھتے تھے۔

دلیل ۸۳ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے چند مرتدین کو جلا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو خبر ہوئی تو فرمایا میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق قتل کرتا آپؐ نے فرمایا ہے۔

مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ

جو اپنا دین بدل دے اُسے قتل کر دو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے۔

لَا تُعَذِّبُوْا بِعَذَابِ اللّٰہِ (صحیح بخاری)

اللہ کے عذاب سے سزا مت دو۔

جب حضرت علیؓ کو یہ بات پہنچی تو انھوں نے فرمایا :

صَدَقَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ (ترمذی ابواب الحدود) ابن عباسؓ نے ٹھیک کہا ہے۔

گویا حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو مرکز ملت تھے حدیث ہی کو حجت شرعیہ سمجھتے تھے۔ حدیث کے خلاف جو سزا انھوں نے دی تھی اس پر اظہار افسوس کیا تھا۔ (مسند احمد وابوداؤد۔ فتح ربانی جزء ۱۶ ص ۶۹)

دلیل ۸۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلیفہ کے انتخاب پر اختلاف ہوا تو حدیث قریش ولاۃ ھٰذا الامر ہی سے فیصلہ ہوا اور تمام صحابہؓ حدیث کے سامنے خاموش ہو گئے۔ (مسند احمد۔ فتح الباری باب مناقب ابی بکرؓ)

دلیل ۸۵ عن ابن عباس قال جعل الناس یَسْئَلونہ عن الصلٰوۃ فی السفر فقال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وَسلم اِذا خرج عن اَھْلِہٖ لم یُصَلِّ الاّ رکعتین حتّٰی رَجع الیٰ اَھلِہٖ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے لوگوں نے سفر کی نماز کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر سے نکلتے تو دو رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے یہاں تک کہ اپنے گھر واپس آتے۔"

{مسند امام احمد) (بلوغ الامانی جزء ۵ ص ۹۷}

سوال اس لئے کیا تھا کہ سفر میں قصر کرنا بظاہر قرآن مجید کے خلاف تھا لیکن صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم نے قطعاً اس بات کی پرواہ نہیں کی کہ یہ فعل قرآن مجید کے خلاف معلوم ہوتا ہے بلکہ علی الاعلان اس چیز کا اعلان فرمایا جو حدیث سے ثابت تھی اور اس کو ایسی حالت میں بھی حجّت سمجھا۔

خلاصہ غرض یہ کہ کہاں تک لکھا جائے اسکی کوئی حد و انتہاء نہیں ہے، کتب حدیث میں ہر روایت، حدیث کے حجّت ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اس طرح حدیث کے حجّت ہونے کے دلائل کی تعداد کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے، کیا ان ہزارہا دلائل کی موجودگی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث حجّت نہیں، اگر اب بھی کوئی حدیث کے حجّت نہ ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ حقائق اور متواترات کا انکار کرتا ہے، اس کا دعویٰ سراسر باطل ہے بلکہ محض ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔

باب پنجم

حجیّت حدیث پر اعتراضات اور انکے جوابات

اعتراض ۱ اللہ تعالٰے فرماتا ہے :-

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (نحل ۸۹)	اور ہم نے آپ کی طرف کتاب نازل فرمائی ہے جو کل چیزوں کو بیان کرتی ہے۔ اور وہ مسلمین کے لئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ کل باتوں کا علم قرآن مجید میں ہے لہذا حدیث کی ضرورت نہیں۔

جواب ۱ صرف قرآن کافی نہیں۔ اس کے متعلق دلائل گزشتہ اوراق میں دیئے جا چکے ہیں۔

جواب ۲ کتاب کے معنی شریعت الٰہیہ کے بھی ہوتے ہیں اور شریعت الٰہیہ میں حدیث بھی شامل ہے۔ دلائل ملاحظہ ہوں۔

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ اور زید بن خالد رضی اللہ تعالٰے عنہما کہتے ہیں :

كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ	ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ اَنْشُدُكَ
اللّٰهَ اِلَّا قَضَيْتَ بَيْنَنَا بِكِتَابِ
اللّٰهِ فَقَامَ خَصْمُهُ وَكَانَ اَفْقَهَ
مِنْهُ فَقَالَ اقْضِ بَيْنَنَا بِكِتَابِ اللّٰهِ
وَاْذَنْ لِيْ قَالَ قُلْ قَالَ اِنَّ ابْنِيْ
كَانَ عَسِيْفًا عَلٰى هٰذَا فَزَنٰى
بِامْرَاَتِهٖ فَافْتَدَيْتُ مِنْهُ بِمِائَةِ
شَاةٍ وَخَادِمٍ ثُمَّ سَاَلْتُ رِجَالًا
مِنْ اَهْلِ الْعِلْمِ فَاَخْبَرُوْنِيْ اَنَّ
عَلَى ابْنِيْ جَلْدَ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبَ عَامٍ
وَّعَلَى امْرَاَتِهِ الرَّجْمَ فَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ
نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَاَقْضِيَنَّ بَيْنَكُمَا
بِكِتَابِ اللّٰهِ جَلَّ ذِكْرُهُ اَلْمِائَةُ
شَاةٍ وَالْخَادِمُ رَدٌّ عَلَيْكَ وَعَلٰى
ابْنِكَ جَلْدُ مِائَةٍ وَّتَغْرِيْبُ عَامٍ
وَّاغْدُ يَا اُنَيْسُ عَلَى امْرَاَةِ هٰذَا
فَاِنِ اعْتَرَفَتْ فَارْجُمْهَا فَغَدَا
عَلَيْهَا فَاعْتَرَفَتْ فَرَجَمَهَا ۔

کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں
ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا میں آپ
کو اللہ کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ آپ
ہمارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ
کر دیجئے۔ پھر فریق ثانی کھڑا ہوا اور وہ
زیادہ سمجھ دار تھا۔ اُس نے کہا آپ ہمارے
درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کر دیجئے
اور مجھے اجازت دیجئے (کہ میں واقعہ
بیان کروں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا: بیان کرو۔ اُس نے کہا
میرا لڑکا اس شخص کے ہاں مزدور تھا۔
اُس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ میں
نے اُس کی طرف سے سو بکریاں اور ایک
خادم بطور فدیہ ادا کیا۔ پھر میں نے اہل
علم سے دریافت کیا۔ انہوں نے مجھے
بتایا کہ میرے لڑکے کو سو کوڑے اور ایک
سال کی جلاء وطنی کی سزا دی جائے گی
اور اس کی بیوی کو سنگسار کیا جائے گا۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(صحیح بخاری کتاب المحاربین)

"قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میں ضرور تمہارا فیصلہ کتاب اللہ جل ذکرہٗ سے کروں گا۔ سو بکریاں اور خادم تمہیں واپس کیا جائے گا اور تمہارے بیٹے کو سو کوڑے ملکے جائیں گے اور ایک سال کے لئے جلا وطن ہوگا (پھر حضرت انیسؓ سے آپؐ نے فرمایا) اور اے انیسؓ تم اس کی بیوی کے پاس جاؤ، اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے سنگسار کر دو۔"

حضرت انیسؓ اس کے پاس گئے اس نے اقبال جرم کیا، انہوں نے اس کو سنگسار کر دیا۔

مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ احادیث کو بھی کتاب اللہ کہا جاتا ہے کیونکہ جو سزا یہاں بیان کی گئی ہے وہ حدیث ہی میں ہے، قرآن میں کہیں نہیں۔

۲۔ حضرت عمرہؒ فرماتی ہیں کہ :

قَالَتْ عَائِشَةُ اَتَتْهَا بَرِيْرَةُ تَسْأَلُهَا فِيْ كِتَابَتِهَا فَقَالَتْ اِنْ شِئْتِ اَعْطَيْتُ اَهْلَكِ وَ يَكُوْنُ الْوَلَاءُ لِيْ وَقَالَ اَهْلُهَا

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میرے پاس آئیں اور اپنی کتابت کے متعلق مجھ سے سوال کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتِهَا مَا بَقِيَ وَيَكُونُ الْوَلَاءُ لَنَا فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَتْهُ ذٰلِكَ فَقَالَ ابْتَاعِيهَا فَاعْتِقِيهَا فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

(صحیح بخاری کتاب المساجد)

(بریرہ سے) فرمایا: "اگر تم چاہو تو میں تمہارے مالکوں کو تمہاری قیمت دیدوں اور تمہارا حقِ وراثت میرے لئے ہوگا۔" ان کے مالکوں نے کہا تم باقی قیمت ان کو دے دو لیکن حقِ وراثت ہمارا ہوگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہؓ نے اس کا ذکر آپؐ سے کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اُسے خرید کر آزاد کر دو۔ حقِ وراثت کا مالک وہی ہے جو آزاد کرے۔" پھر آپ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمایا۔ "لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ایسی شرطیں کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں۔ اگر کوئی شخص ایسی شرط کرے جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو اُسے اس کی شرط کی بنا پر کچھ نہیں ملے گا اگرچہ وہ سو مرتبہ ایسی شرط کرے۔"

حقِ وراثت کا یہ مسئلہ قرآن مجید میں نہیں ہے، پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کتاب اللہ قرار دیا اور اس کے خلاف تمام شرطوں کو کالعدم قرار دیا،

گویا حدیث کے مسائل اور قوانین بھی کتاب اللہ کہلاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ اور تمام صحابہؓ حدیث کو کتاب اللہ سمجھتے تھے

۴۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر پر کھڑے ہو کر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں فرمایا:۔

إِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتٰبَ فَكَانَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ اٰيَةُ الرَّجْمِ فَقَرَأْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا۔ رَجَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَجَمْنَا بَعْدَهٗ فَاَخْشٰى اِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ اَنْ يَّقُوْلَ قَائِلٌ وَّاللّٰهِ مَا نَجِدُ اٰيَةَ الرَّجْمِ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ فَيَضِلُّوْا بِتَرْكِ فَرِيْضَةٍ اَنْزَلَهَا اللّٰهُ وَالرَّجْمُ فِىْ كِتَابِ اللّٰهِ حَقٌّ عَلٰى مَنْ زَنٰى اِذَا اُحْصِنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

(صحیح بخاری کتاب المحاربین جز ۸ ص ۲۰۹)

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپؐ پر کتاب نازل کی۔ تو جو کچھ اللہ نے نازل کیا اس میں آیت رجم بھی ہے۔ ہم نے اسے پڑھا ہے، سمجھا ہے اور محفوظ کر لیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا ہے اور آپؐ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایک مدت دراز کے بعد کہنے والا یہ نہ کہے کہ اللہ کی قسم ہم رجم کی آیت کو اللہ کی کتاب میں نہیں پاتے۔ اس طرح وہ اللہ (تعالیٰ) کے اُس فریضہ کو جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے چھوڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اور (خبردار) رجم کی سزا اللہ کی کتاب میں حق ہے اُس مرد یا

عورت کے لئے جو شادی شدہ ہو کر زنا

کرے۔

رجم کا حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے لیکن حضرت عمرؓ اس کو کتاب اللہ اور منزل من اللہ سمجھتے ہیں اور بار بار اس کا ذکر کتاب اللہ کے ضمن میں کرتے ہیں۔ رجم کا حکم حدیث میں ہے اور اس حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کتاب اللہ اور منزل من اللہ سمجھا۔ کسی صحابی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معاشرہ میں حدیث کو بھی کتاب اللہ ہی شمار کیا جاتا تھا۔

خلاصہ مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم حدیث کو بھی کتاب اللہ سمجھتے تھے۔ اس کو منزل من اللہ مانتے تھے، اور اس پر عمل کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ خصوصیت کے ساتھ حدیث کی حفاظت میں پیش پیش تھے۔ بلکہ وہ آئندہ آنے والے فتنۂ انکارِ حدیث سے لوگوں کو متنبہ کرتے تھے کہ کہیں وہ اس فتنہ میں مبتلا ہو کر گمراہ نہ ہو جائیں اور اللہ کے فرائض کو چھوڑ نہ بیٹھیں۔ اور حضرت عمرؓ کو ایسا کرنا بھی چاہیئے تھا، اس لئے کہ وہ ذمّہ دار حیثیت کے مالک تھے۔ ان کا فرض تھا کہ فتنوں کا انسداد کریں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ متعدد بلکہ بیشما موقعوں پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ، یا کتاب وسنت کے الفاظ ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ دو چیزیں ہیں لہذا سنت کو کتاب اللہ نہیں کہہ سکتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ ساتھ استعمال سے یہ لازم نہیں آتا کہ سنّت کتاب اللہ نہیں ہے۔ کتاب اللہ بے شک عام ہے اور سنّت پر بھی حاوی ہے، اس کے باوجود سنّت کا علیحدہ ذکر اس کی اہمیت اور مستقبل کے فتنہ کے انسداد کے لئے کیا گیا ہے۔ عام کے بعد خاص کا ذکر ہوتا رہتا ہے اور یہ چیز معروف ہے، کوئی غیر معروف چیز نہیں، ہر صاحب علم اس سے واقف ہے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ○ (سورۃ البقرۃ ۹۸)	جو شخص اللہ کا، فرشتوں کا، رسولوں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو بے شک اللہ ایسے کافروں کا دشمن ہے۔

فرشتوں میں جبرئیل اور میکائیل دونوں شامل تھے۔ اگر ان دونوں فرشتوں کا ذکر علیحدہ نہ بھی کیا جاتا تو کوئی مضائقہ نہ تھا، تاہم ان کا ذکر علیحدہ کیا گیا تاکہ ان کی عظمت کا اظہار ہو اور وہ فتنہ جو یہودیوں نے اٹھایا تھا کہ یہ دونوں فرشتے ہمارے دشمن ہیں اس کا قلع قمع کیا جا سکے۔ بالکل اسی طرح کتاب اللہ میں سنّت شامل ہوتی ہے پھر بھی اس کا ذکر علیحدہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ اس کی اہمیت ظاہر ہو جائے اور جو فتنہ اٹھے اس کا بآسانی قلع قمع کیا جا سکے۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ○	حضرت مریم نے کہا میرے لڑکا کیسے ہوگا حالانکہ کسی آدمی نے مجھے ہاتھ نہیں

(مریم ۲۰) لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔

حضرت مریم کا قول کہ "کسی آدمی نے مجھے ہاتھ نہیں لگایا" عام ہے جس میں بدکاری بھی شامل ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے فرمایا "نہ میں بدکار ہوں"۔ بدکاری کا علیحدہ ذکر محض اس کی اہمیت کی وجہ سے کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تب بھی پہلا جملہ کافی تھا۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے اللہ تعالے فرماتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ (سورۃ الانفال ۶۰)

اور جہاں تک ہو سکے دشمن کے مقابلہ کے لئے قوت جمع کرو اور گھوڑے باندھ کر بھی (مقابلہ کے لئے تیار رہو)

اس آیت میں قوت کے ضمن میں گھوڑے بھی شامل تھے تاہم ان کا علیحدہ ذکر ان کی اہمیت کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

الغرض کتاب اللہ کے ساتھ حدیث کا علیحدہ ذکر محض اس کی اہمیت کی وجہ سے ہے، نہ کہ مغایرت کی وجہ سے اور اہمیت کی وجہ یہ ہے کہ بغیر حدیث کے قرآن مجید پر عمل ناممکن ہے (اس کا بیان گزر چکا ہے) لہذا حدیث کا انکار درحقیقت قرآن مجید کا انکار ہے اور صریح گمراہی ہے۔

جواب ۳ اگر ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ کتاب اللہ سے صرف قرآن مجید مراد ہے تب بھی کوئی اعتراض نہیں، اس لئے کہ قرآن مجید، اطاعتِ رسول اور اتباعِ رسول کو فرض قرار دیتا ہے، اس کے فیصلہ کو بے چوں وچرا، خندہ پیشانی کے ساتھ تسلیم کر لینے کو ایمان کے لئے لازم قرار دیتا ہے، اور جو ایسا نہ کرے اس کی بے ایمانی

پر قسم کھاتا ہے، لہذا اگر صرف قرآن کو ہی مان لیا جائے تو اس کے احکام کی اتباع میں رسول کی پیروی بھی لازمی ہو گی اور جب حدیث پر عمل کرنا قرآن مجید کے ذریعہ لازم ہو جائے تو پھر یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے۔ ان معنوں کے لحاظ سے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم احادیث کی اتباع کو قرآن مجید ہی کی اتباع سمجھتے تھے مثلاً :-

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالے عنہ نے گودنے والیوں اور گدوانے والیوں پر لعنت کی اور فرمایا۔

وَهُوَ فِيْ كِتَابِ اللهِ	اور یہ چیز کتاب اللہ میں ہے

ایک خاتون نے کہا۔

" لَقَدْ قَرَأْتُ مَا بَيْنَ اللَّوْحَيْنِ فَمَا وَجَدْتُهُ "	تحقیق میں نے پورا قرآن پڑھا ہے لیکن یہ چیز مجھے اس میں نہیں ملی۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا :

وَاللهِ لَئِنْ قَرَأْتِيهِ لَقَدْ وَجَدْتِيهِ ثُمَّ قَرَأَ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (صحیح بخاری کتاب اللباس)	اللہ کی قسم، اگر تم نے پڑھا ہوتا تو تمہیں ملجاتی۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی " جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔"

حضرت ابن مسعودؓ نے احکام حدیث کو قرآنی حکم کی تعمیل میں تسلیم کیا، گویا اس کو کتاب اللہ ہی سمجھا، بلکہ یوں کہیئے کہ انہوں نے ہر حدیث کو قرآن ہی

تسلیم کیا اس لئے کہ حدیث کے ماننے کا حکم قرآن میں ہے۔ وہ اعتراض کرنے والی خاتون بھی خاموش ہوگئیں اور حضرت ابن مسعودؓ کے جواب کو سن کر مطمئن ہوگئیں۔ یہ ہے قرونِ اولیٰ کا اسلامی ذہن۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت سعید بن جُبیرؒ فرماتے ہیں:

اِنَّهٗ سَمِعَ ابْنَ عُمَرَ وَابْنَ عَبَّاسٍ اَنَّهُمَا شَهِدَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ نَهٰى عَنِ الدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ وَالْمُزَفَّتِ وَالنَّقِيْرِ ثُمَّ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَمَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔

میں نے ابن عمرؓ اور ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو اس بات کی شہادت دیتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُبّا۔ حَنتَم۔ مُزَفَّت اور نَقیر سے منع فرمایا ہے پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "جو کچھ رسول دے وہ لے لو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز رہو۔"

(نسائی کتاب الاشربۃ)

انسؒ کہتے ہیں کہ

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا قُلْتُ بَلٰى قَالَ اَلَمْ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا "کیا اللہ عزّ وجلّ نے یہ نہیں فرمایا کہ جس کام کا حکم رسول دے اُسے لازم پکڑو اور جس کام سے

يَقُلِ اللّٰهُ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ قُلْتُ بَلٰى قَالَ فَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ النَّقِيْرِ وَالْمُقَيَّرِ وَالدُّبَّاءِ وَالْحَنْتَمِ۔

(نسائی کتاب الاشربۃ)

منع کرے اس سے باز رہو؟" میں نے کہا "کیوں نہیں۔" فرمایا "کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ "کسی مرد و عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ صادر کر دیں تو پھر ان کو اُس معاملہ میں اختیار باقی رہے۔" میں نے کہا "کیوں نہیں۔" فرمایا "تو میں گواہی دیتا ہوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نقیر، مُقَیَّر، دُبّار اور حَنتَم سے منع فرمایا ہے۔

مندرجہ بالا واقعات سے صحابہؓ اور تابعینؒ کے معاشرہ کی اسلامی ذہنیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ وہ احادیث کو بھی قرآن مجید ہی کے حکم کی تعمیل میں حجت شرعیہ سمجھتے تھے اور احکامِ احادیث کی تعمیل کو احکامِ قرآن کی تعمیل سمجھا جاتا تھا۔ گویا احادیث کے احکام، قرآنی احکام کا ایک شعبہ ہیں اور گویا وہ قرآن ہی ہیں۔

جواب نمبر ۴ (قرآنی جواب) اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا اس کو بنا سکے بلکہ (یہ تو خالص اللہ کا کلام ہے جو) کتب

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (یونس ۳۷)

سابقہ کی تصدیق کرتا ہے اور اس کتاب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے جو بلاشک وشبہ اللہ رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوئی) ہے۔

اس آیت میں یہ جملہ کہ "قرآن، کتاب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے" قابل غور ہے۔ اگر کتاب کے معنی بھی قرآن کر دیئے جائیں تو معنی یہ ہوں گے کہ "قرآن، قرآن کو علیحدہ بیان کرتا ہے" اور یہ معنی یقیناً مضحکہ خیز ہیں۔ قرآن کتاب کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن، شریعت کے احکام کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے۔ گویا آیت مذکورہ میں کتاب سے مراد شریعت الٰہیہ ہے، نہ کہ قرآن۔ اور جب کتاب کے معنی شریعت الٰہیہ ہیں تو پھر "کتاب" میں دونوں چیزیں شامل ہو سکتی ہیں یعنی قرآن اور حدیث۔

__خلاصہ__ | خلاصہ یہ ہوا کہ آیت زیر بحث میں کتاب سے مراد شریعت ہے لہذا اس میں حدیث بھی شامل ہے۔ حدیث کو بھی کتاب اللہ کہا جا رہا ہے اور اگر بالفرض محال کتاب سے صرف قرآن مراد ہے، تب بھی دلائل مذکورہ کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ احکام حدیث، احکام قرآنی کا ایک شعبہ ہیں۔ ان کی تعمیل سے قرآن مجید ہی کی تعمیل ہوتی ہے لہذا وہ بھی گویا قرآن یعنی کتاب اللہ ہی ہیں۔ غرض یہ کہ ہر لحاظ سے حدیث، کتاب اللہ کے ضمن میں آتی ہے، اس سے علیحدہ نہیں۔

اعتراضِ مذکور کا جواب دوسرے طرز سے

جواب ۵ لفظ "کُل" ضروری نہیں کہ تمام اشیاء پر سو فیصدی حاوی ہو۔ قرآن میں یہ لفظ ایسے کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے جہاں اس کا اطلاق سو فیصدی اشیاء پر نہیں ہوا ہے۔ مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱۔ وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ — اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں کل مثالیں بیان کر دی ہیں۔

(روم۔۵۸، زمر۔ ۲۷)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں تمام مثالیں بیان کر دی گئی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمام امثال قرآن میں نہیں ہیں لہذا "کُل" کے معنی سو فیصدی امثال کو شامل نہیں بلکہ صرف خاص امثال کو شامل ہیں۔

۲۔ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (آل عمران ۹۳) — بنی اسرائیل کے لئے کل طعام حلال تھے۔

یہاں بھی لفظ "کل" کا اطلاق سو فیصدی طعام پر نہیں ہو سکتا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ شراب۔ سور۔ مردار جو اکثر قومیں حلال و طیّب سمجھ کر استعمال کرتی ہیں وہ بھی ان کے لئے حلال ہوں۔

۳۔ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (انعام ۴۴) — جب وہ نصائح اور احکامِ الٰہی کو بھول گئے تو ہم نے ان پر کل چیزوں کے دروازے کھول دئے۔

کیا وہ تمام نعمتیں جو جدید سائنس کی ایجادات کی وجہ سے ہمیں میسر ہیں ان کفار کو بھی دی گئی تھیں جن کا ذکر اس آیت میں ہے؟ اگر نہیں دی گئی تھیں تو ثابت ہوا کہ "کل" کا اطلاق سو فیصدی اشیاء پر صحیح نہیں۔

۴۔ وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَاسَأَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (ابراہیم ۳۴)

اور اللہ نے کل چیزیں تم کو دیں جو تم نے مانگیں اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو گن نہیں سکتے۔

کیونکہ انسان کی کل تمنائیں پوری نہیں ہوتیں لہذا نتیجہ ظاہر ہے کہ کل کے معنیٰ سو فیصدی کل نہیں۔

۵۔ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا کُلَّهَا فَکَذَّبَ وَاَبٰی۔ (طٰہٰ ۵۶)

اور ہم نے فرعون کو اپنی کل نشانیاں دکھائیں پھر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کل نشانیوں کا حصر نہیں ہوسکتا لہذا فرعون کو کل نشانیاں نہیں دکھائی گئی تھیں۔ بلکہ واضح طور پر قرآن مجید میں صرف نو نشانیاں دکھانے کا ذکر ہے۔ لہذا یہاں بھی لفظ "کل" کے وہ معنی نہیں لئے جاسکتے جو عام اصطلاح میں سمجھے جاتے ہیں۔

۶۔ وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ

اللہ اپنے نفس سے تم کو ڈراتا ہے۔

(آل عمران ۲۸)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا بھی نفس ہے۔ اب سنئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ　　کل نفسوں کو موت کا مزا چکھنا ہے۔

(آل عمران ۱۸۵)

دونوں آیتوں کو ملا کر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالےٰ کو بھی موت کا مزا چکھنا ہے کیونکہ نفس اس کی ذات کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے' اور یہ سراسر باطل ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ "کل" کا اطلاق ہمیشہ سو فیصدی اشیاء پر نہیں ہوتا۔

نتیجہ | مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ "کل" کا اطلاق سو فیصدی اشیاء پر نہیں ہوتا لہٰذا اگر قرآن مجید میں کل اشیاء کا بیان ہو تب بھی ثابت نہ ہوگا کہ سو فیصدی اشیاء کا بیان اس میں ہے۔ لہٰذا لفظ "کل" کے باوجود بعض باتیں اس میں نہیں ہونگی جن کا ذکر حدیث میں ملے گا۔

اعتراض ۲ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا　　وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب نازل کر دی ہے۔　(انعام ۱۱۵)

آیت بالا کی رو سے جب ہر چیز کی تفصیل قرآن میں موجود ہے تو حدیث کی کیا ضرورت ہے؟

جواب ۱ | اول تو کتاب سے مراد صرف قرآن ہی نہیں ہوتا جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے لہٰذا کتاب میں حدیث بھی شامل ہے۔ ثبوت کے لئے گذشتہ صفحات ملاحظہ ہوں۔

جواب ۲ | اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ	پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی جو ہر نیکی
تَمَامًا عَلَی الَّذِیۡۤ اَحۡسَنَ وَ تَفۡصِیۡلًا	کرنے والے کے لئے اِتمام نعمت،
لِّکُلِّ شَیۡءٍ وَّ هُدًی وَّ رَحۡمَةً	کل اشیاء کی تفصیل کرنے والی اور
لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ یُؤۡمِنُوۡنَ	ہدایت ورحمت تھی تاکہ لوگ اپنے رب
(انعام ۱۵۴)	کی ملاقات پر ایمان لے آئیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

وَ کَتَبۡنَا لَهٗ فِی الۡاَلۡوَاحِ مِنۡ کُلِّ	اور ہم نے موسیٰ (علیہ السّلام) کے لئے
شَیۡءٍ مَّوۡعِظَةً وَّ تَفۡصِیۡلًا	تختیوں پر کل نصیحتیں تحریر کر دی تھیں
لِّکُلِّ شَیۡءٍ (اعراف ۱۴۵)	اور کل اشیار کی تفصیل بھی تحریر کر دی تھی۔

آیاتِ بالا سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السّلام کی کتاب یعنی توریت میں کل اشیار کا بیان تھا اور تفصیل سے بیان تھا، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

اِذۡ عَلَّمۡتُکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ	(اے عیسیٰؑ وہ وقت یاد کرو) جب
وَ التَّوۡرٰىةَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ	میں نے تمہیں کتاب وحکمت اور توریت
(مائدہ ۱۱۰)	وانجیل کی تعلیم دی تھی۔

قرآن مجید سے ثابت ہوا کہ توریت میں کل اشیاء کا مفصّل بیان تھا اور قرآن مجید ہی سے یہ بھی ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو توریت کے ساتھ انجیل کی تعلیم بھی دی گئی تھی۔ اگر توریت کے لئے "کل" اور "مفصل" کے الفاظ ہوتے ہوئے انجیل کی تعلیم کی ضرورت تھی تو بالکل اسی طرح قرآن کے لئے "کل" اور "مفصل"

کے الفاظ کی موجودگی میں حدیث کی ضرورت کیوں نہیں؟ کیا امر مانع ہے؟

نتیجہ | آیاتِ بالا سے ثابت ہوا کہ "کل" اور "تفصیل" کا وہ مفہوم نہیں ہے جو منکرین حدیث سمجھ رہے ہیں۔

تفصیل کا صحیح مفہوم | تفصیل کا جو مفہوم اردو میں سمجھا جاتا ہے وہ قرآنی آیات میں نہیں پایا جاتا۔ تفصیل فصل سے مشتق ہے لہذا اس کے معنی ہوئے "فصل کرنا" "علیحدہ کرنا" لہذا مفصّل کے معنی ہوئے "علیحدہ علیحدہ" "فصل کی ہوئی" "جدا کی ہوئی" ان ہی معنوں کی اساس پر صحابۂ کرام رضؓ کے دور سے آج تک قرآن مجید کی چھوٹی سورتوں کو "مفصّل" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ جلدی جلدی "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کو درمیان میں رکھ کر ایک دوسرے سے علیحدہ کر دی گئی ہیں۔ ثبوت کے لئے کتب حدیث ملاحظہ ہوں مثلاً حضرت مروان کہتے ہیں۔

قَالَ لِیْ زَیْدُ بْنُ ثَابِتٍ مَالَكَ تَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ۔ (صحیح بخاری باب القراءۃ فی المغرب)

مجھ سے حضرت زید بن ثابت رضؓ نے فرمایا "کیا بات ہے کہ تم مغرب کی نماز میں ہمیشہ مفصّل کی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو؟"

(انتباہ) "مفصّل" کی سورتوں کے تین حصّے ہیں۔ "طوال مفصّل" "اوساط مفصّل" اور "قصار مفصّل"۔ قصار مفصّل سے وہ سورتیں مراد ہیں جو بہت چھوٹی ہیں۔

قرآنی شہادت | ان معنوں کی تائید میں قرآنی آیات ملاحظہ ہوں۔

١۔ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ (اعراف ١٣٣)

ہم نے ان پر طوفان، ٹڈی، چچڑی مینڈک اور خون بھیجا۔ یہ نشانیاں مفصّل تھیں یعنی علیحدہ علیحدہ، بہ یک وقت نہیں بھیجی گئی تھیں۔

اگر مفصّل کے معنیٰ وہ لئے جائیں جو معترضین کے ذہنوں میں ہیں تو اس آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ "فرعون پر جو عذاب بھیجے گئے تھے ان میں تفصیلی بیان تھا" اور یہ معنیٰ بالکل مضحکہ خیز ہیں۔

٢۔ الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود ـ ١)

یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات محکم کردی گئی ہیں، پھر حکیم و خبیر کی طرف سے مفصّل کردی گئی ہیں (یعنی علیحدہ علیحدہ بیان کردی گئی ہیں)

اگر اس آیت میں فُصِّلَتْ کے وہی معنیٰ لئے جائیں جو اردو زبان میں مستعمل ہیں تو پھر اس آیت کی رُو سے ہر آیت کی تفصیل و تشریح قرآن مجید میں ہونی چاہیئے، لیکن ایسا ہرگز نہیں، لہٰذا تفصیل کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو زبان میں رائج ہیں۔

٣۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ (حٰم سجدہ ٤٤)

اور اگر ہم اس قرآن کو عجمی زبان میں نازل کرتے تو لوگ کہتے کہ اس کی آیات کی تفصیل کیوں نہیں کی گئی۔

اگر عربی قرآن میں ہر چیز کی تفصیل ہے تو عجمی زبان میں اس کا ترجمہ کرنے سے وہ تفصیل کہاں چلی جائے گی؟ ظاہر ہے کہ اگر متن میں تفصیل ہے تو ترجمہ

میں بھی تفصیل ہو گی۔ لیکن مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ترجمہ میں تفصیل باقی نہیں رہے گی اور یہ ناممکن ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ تفصیل کے وہ معنی نہیں ہیں جو عام طور پر اردو زبان میں مستعمل ہیں، بلکہ کچھ اور معنی ہیں اور وہ یہی کہ دوسری زبانوں میں آیات اس طرح علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتیں لہذا مضامین میں الجھاؤ پیدا ہو سکتا ہے۔

نتیجہ | تفصیل کے معنی "علیحدہ علیحدہ" کے ہیں اس لفظ سے وہ مفہوم ثابت نہیں ہوتا جو اردو زبان میں لیا جاتا ہے۔ لہذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ قرآن مجید میں ہر چیز کی تفصیل اردو معنوں کے لحاظ سے موجود ہے۔

یہ تو اصولی بحث تھی۔ عملاً بھی آپ دیکھیں تو قرآن میں کسی چیز کی تفصیل نہیں۔ مثلاً نماز کا حکم ہے لیکن نہ نماز کے اوقات کی تفصیل ہے کہ کب شروع ہوتے ہیں اور کب ختم ہوتے ہیں، نہ رکعات کی تعداد ہے، نہ طریقۂ نماز کی تفصیل ہے، حتیٰ کہ اس بات کی تفصیل بھی نہیں کہ مسجد حرام کی طرف منہ کس حالت میں کیا جائے اگر صرف قرآن مجید کی آیات کو دیکھا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چوبیس گھنٹے ہر حالت میں منہ مسجد حرام کی طرف ہونا چاہیئے اور یہ قطعاً ناممکن ہے۔ لہذا حدیث کی ضرورت و اہمیت کا انکار خود قرآن مجید کا انکار ہے۔

اعتراض ۳ | تیسری آیت جو اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے۔

وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ — کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ ہو۔

کتاب مبین کیونکہ قرآن مجید ہے لہذا اس میں ہر چیز ہے، حدیث کی ضرورت

نہیں۔

جواب پوری آیت اس طرح ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ (انعام ۵۹)

غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں، انہیں سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا۔ وہ جانتا ہے جو خشکی میں ہے اور جو کچھ تری میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا مگر اُسے اس کا علم ہوتا ہے اور نہ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ (گرتا ہے) اور نہ کوئی خشک و تر چیز (گرتی ہے) مگر کتاب مبین میں (اس کا ذکر) موجود ہوتا ہے۔

آیت بالا سے ظاہر ہے کہ یہاں کتاب مبین سے قرآنِ مجید مراد نہیں ہے، بلکہ لوحِ محفوظ مراد ہے جس میں ہر چیز کا حال لکھا ہوا ہے۔ اگر کتاب مبین سے قرآنِ مجید مراد لیا جائے اور آیت کا مفہوم وہی تسلیم کر لیا جائے جو معترضین نے اختراع کیا ہے تو پھر یہ لوگ بتائیں کہ اس میں گلاب کے پھول کا ذکر کہاں ہے، یہ کہاں ہے کہ فلاں گلاب میں اتنے پھول نکلیں گے، فلاں وقت نکلیں گے، اتنی پتیاں ہوں گی، پتیاں فلاں فلاں وقت پر گریں گی اور مرجھا جائیں گی، پھول کو فلاں فلاں شخص سونگھے گا وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ یہ سب معلومات قرآنِ مجید میں نہیں ہے لہٰذا کتاب مبین سے مراد قرآنِ مجید نہیں ہے۔

اسی مضمون کو دوسری جگہ اللہ تعالےٰ نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

۱۔ مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ (حدید ۲۲)	کوئی مصیبت ایسی نہیں جو زمین میں نازل ہوتی ہو یا خود تم کو پہنچتی ہو مگر یہ کہ وہ، اس سے پہلے کہ ہم اُسے پیدا کریں کتاب میں لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ بے شک یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔

اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن مجید نہیں ہو سکتا اس لئے کہ کسی ایک شخص کی بھی تکلیف یا مصیبت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری ہے۔

۲۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ (ہود ۶)	زمین میں ایسا کوئی جانور نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ اللہ اس کی جائے قرار اور جائے سپرد دونوں کو جانتا ہے ہر چیز کتاب مبین میں لکھی ہوئی ہے۔

اس آیت میں بھی "کتاب مبین" سے قرآن مجید مراد نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ کسی ایک شخص کی بھی جائے سکونت اور جائے قبر قرآن مجید میں تحریر نہیں۔

۳۔ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○	زمین و آسمان میں ذرہ برابر چیز بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ اس سے بڑی کوئی چیز ہے جو کتاب مبین میں محفوظ نہ ہو۔

(یونس ۶۱)

نتیجہ | آیات بالا سے ثابت ہوا کہ اس قسم کی تمام آیتوں میں "کتابِ مبین" سے مُراد قرآنِ مجید نہیں بلکہ لوحِ محفوظ مراد ہے۔ لہٰذا اعتراضِ مذکور کی کوئی حقیقت نہیں۔

قرآنِ مجید اور لوحِ محفوظ علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں

اس بات کے ثبوت کے لئے کہ قرآن مجید اور اُمّ الکتاب (یعنی لوح محفوظ) دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○ وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ (زخرف ۳، ۴)

ہم نے قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو اور یہ قرآن ہمارے پاس اُمّ الکتاب میں بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کسی اور بڑی کتاب میں محفوظ ہے، اس بڑی کتاب کو لوحِ محفوظ یا ام الکتاب کہتے ہیں، اسی کتاب کو کتابِ مبین کہا جاتا ہے۔ وہ لوح محفوظ ہی ہے جس میں ہر چیز کے حالات لکھے ہوئے ہیں نہ کہ قرآن مجید۔ لہٰذا آیتِ زیرِ بحث سے یہ نتیجہ نکالنا کہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے باطل ہے۔

اعتراض ۱ تا ۳ کے جوابات کا خلاصہ

نہ "کل" کے معنی سو فیصدی اشیاء پر حاوی ہیں، نہ کتاب صرف قرآن کو کہتے ہیں، نہ مفصّل کے وہ معنٰی ہیں جو ارد و میں لئے جاتے ہیں، لہٰذا اعتراضات بے جان

ہیں۔

اگر بالفرض محال "کل" کے معنی اصطلاحی لیے جائیں، کتاب سے قرآن مجید مراد لیا جائے اور "مفصّل" کے وہ معنی لئے جائیں جو اردو زبان میں مستعمل ہیں تب بھی اعتراض کا کوئی موقع نہیں، اس لئے کہ احادیث کے تمام احکام کی اتباع کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے۔ صحابۂ کرام احادیث کو ایک حیثیت سے قرآن مجید ہی سمجھتے رہے، جیساکہ پہلے ثابت کیا جاچکا ہے، لہٰذا تعمیل واتباعِ احادیث گویا اتباعِ قرآنِ مجید ہے اور یوں سمجھنا چاہیئے کہ ان کا شمار قرآن مجید ہی میں ہوتا آیا ہے لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ قرآن مجید میں ہر بات کی تفصیل ہے تو اس تفصیل میں احادیث بھی آگئیں۔

اعتراض ۴ "جب احادیث کی حالت یہ ہے تو دین کے متعلق یقینی علم کا سرچشمہ قرآن کریم رہ جاتا ہے۔" (مزاج شناس رسول ص۸)

جواب مندرجہ بالا اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ احادیث میں صحیح اور ضعیف سب قسم کی حدیثیں ملی جلی ہیں تو حدیث یقینی علم کا ذریعہ نہیں رہا اور جو چیز یقینی علم کا ذریعہ نہ ہو وہ حجت شرعیہ کیسے ہوسکتی ہے۔ یہ اعتراض بجائے خود مضحکہ خیز ہے اس لئے کہ ضعیف کی وجہ سے صحیح کیسے غیر یقینی ہو جائے گی۔ اگر اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر کسی خبر کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ نہ کوئی شہادت قبول کی جاسکتی ہے۔ دنیا کا تمام کاروبار بند ہو جائے گا۔ اس لئے کہ خبریں اور شہادتیں نہ سب صحیح ہوتی ہیں، نہ سب جھوٹی۔ پھر بھی بعض خبروں پر اعتماد کیا جاتا ہے اور مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں اور قرائن و شواہد سے اس بات کا علم

حاصل کر لیا جاتا ہے کہ کونسی خبر سچّی ہے اور کون سی جھوٹی۔ سچّی کو قبول کیا جاتا ہے۔ جھوٹی کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت احادیث کی ہے۔ تواتر عملی، تواتر اسناد، شواہد و قرائن سے یہ تحقیق کر لیا گیا ہے کہ کونسی حدیث صحیح ہے اور کون سی ضعیف یا موضوع۔ لہذا جس حدیث کو صحیح کہا گیا ہے اس کے متعلق یقین کیا گیا ہے کہ وہ صحیح ہے۔ اگر اس میں ذرا بھی شبہ ہوتا تو وہ صحت کے درجہ کو نہ پہنچتی۔ لہذا جو حدیث صحیح ہے وہ ضعیف یا موضوع کی وجہ سے نہیں چھوڑی جاسکتی کیونکہ غیر یقینی ضعیف حدیث ہے نہ کہ صحیح حدیث۔

بالکل یہی اعتراض قرآن مجید کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایک بہت بڑی جماعت اس میں تحریف کی قائل ہے (اصول کافی مع ترجمہ موسومہ الشافی جلد دوم کتاب فضل القرآن باب ۱۴ النوادر صـ ۶۳۲) ان کا کہنا ہے کہ بعض آیات لوگوں نے خود بڑھا دی ہیں۔ بعض نکال دی ہیں۔ بعض کو ان کی اصلی جگہ سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ تحریر کر دیا ہے تاکہ کسی مخصوص جماعت کی فضیلت ثابت نہ ہو۔ لہذا کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ صحیح و غلط کی آمیزش کی وجہ سے قرآن بھی غیر یقینی ہے۔ میمونیہ فرقہ کا عقیدہ ہے کہ سورۂ یوسف قرآن مجید کی سورت نہیں ہے۔ اب بتائیے اس اختلاف کی بنا پر تو ایک غیر مسلم کے لئے قرآن بھی غیر یقینی ہو جائے گا۔ بتلایئے اب آپ کے پاس کیا رہا جو آپ پیش کریں گے۔

بعض احادیث قرآن مجید سے زیادہ متواتر ہیں مثلاً سال میں دو عیدیں، پانچ وقت کی نماز، رکعات کی تعداد، ہر رکعت میں ایک رکوع، دو سجدے۔ وغیرہ وغیرہ۔ الغرض بے شمار احادیث ایسی ہیں جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے نقلاً

وعملاً قرآن مجید سے زیادہ متواتر ہیں۔ کیا ایسی یقینی چیز کو چھوڑا جا سکتا ہے؟

سوالات :

(۱) آخر میں ہم منکرینِ حدیث سے سوال کرتے ہیں کہ اگر حدیث یقینی ہو تو کیا آپ اسے حجت شرعیہ مان لیں گے؟ یقیناً آپ تو پھر بھی نہیں مانیں گے تو جب یقینی ہوتے ہوئے بھی آپ احادیث کو حجت نہیں مانتے تو یہ اعتراض ہی فضول ہے کہ "بعض احادیث صحیح ہیں اور بعض ضعیف، لہٰذا سب غیر یقینی ہیں۔" اور اگر آپ نے حجت شرعیہ مان لیا (اور یقیناً وہ حجت ہیں جیسا کہ متعدد دلائل سے ثابت کیا جا چکا ہے) تو پھر یہ ہو نہیں سکتا کہ جو چیز حجت شرعیہ ہو اللہ تعالیٰ نے اُسے محفوظ نہ رکھا ہو۔ اگر حجت شرعیہ مانتے ہوئے بھی آپ اُس کے غیر محفوظ ہونے کے قائل ہیں تو آپ کا یہ عقیدہ ننگِ اسلام ہے۔

(۲) حدیث کے یقینی ہونے پر مفصل بحث اوپر گزر چکی ہے۔ بہر حال منکرینِ حدیث کے نزدیک قرآن مجید تو یقینی ہے۔ ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ اگر یہ یقینی ہے تو غیر مسلم اس کو کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ کیونکہ وہ تسلیم نہیں کرتے لہٰذا یہی کہنا پڑے گا کہ ان کے نزدیک قرآن مجید بھی غیر یقینی ہے۔ درحقیقت یقینی چیز تو وہی ہے جس پر بلا اختلاف مذہب و عقائد ہر شخص یقین کر سکے۔ اگر یہ کہا جائے کہ غیر مسلم اس لئے یقین نہیں کرتا کہ وہ اس پر ایمان نہیں لایا تو پھر اصل چیز ایمان ہوئی۔ پھر ایمان کے ساتھ دوسری ضروری چیز اپنے اکابر پر اعتماد ہے جو لوگ اپنے اکابر پر اعتماد نہیں رکھتے وہی قرآن مجید کو غیر یقینی سمجھتے ہیں۔ یہی حال حدیث کا ہے۔ جو لوگ دیانتداری کو بالائے طاق رکھ کر

حدیث کے حجت ہونے سے انکار کرتے ہیں یعنی حدیث پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے اکابر پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ ان کو سازشی سمجھتے ہیں وہی حدیث کو غیر یقینی سمجھتے ہیں اگر وہ حدیث پر ایمان لے آئیں، اکابر پر اعتماد کریں تو حدیث بھی ان کے نزدیک یقینی ہو سکتی ہے۔

اعتراض ۵ "پھر سنیوں میں بھی ایک حدیث حنفیوں کے ہاں صحیح تھی تو شافعیوں کے ہاں غلط تھی۔" (مزاج شناس رسول ص۱۱۳)

جواب

۱۔ مقلدین جانبدار ہوتے ہیں لہذا ان کا قول حدیث کی صحت کے لئے معیار نہیں۔ اس کے لئے غیر جانبدار ماہرین فن کی ضرورت ہے۔ یعنی محدثین کا فیصلہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ ان کے فیصلہ کی تحقیق آج بھی کی جا سکتی ہے اور پھر محدثین کو داد دی جا سکتی ہے۔

۲۔ پھر مقلدین کے تمام فرقے اور اہلحدیث سب صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت پر متفق ہیں لہذا ان کو تو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ایک فرقہ ان کو بھی صحیح تسلیم نہیں کرتا تو وہ فرقہ تو قرآن مجید کو بھی تسلیم نہیں کرتا تو کیا قرآن مجید کو بھی چھوڑ دیا جائے۔

اعتراض ۶ قرآن کی طرح وہ کونسا صحیفہ ہے جو قرآن کی رو سے منزل من اللہ ہے اور جسے منزل من اللہ سمجھنا مسلمان ہونے کے لئے کافی ہے۔ (مزاج شناس رسول ص۱۶۸)

جواب صحیفہ کی صورت میں تو قرآن مجید بھی نازل نہیں ہوا۔ آیات نازل ہوتی

رہیں اور بعد میں انہیں صحیفہ کی شکل میں تحریر کر لیا گیا۔ اور یہ کام مسلمین نے کیا۔ اسی طرح احادیث بھی نازل ہوتی رہیں اور انہیں بھی مسلمین نے صحائف میں تحریر کر کے محفوظ کر لیا۔ احادیث کے منزل من اللہ ہونے کے بیسیوں ثبوت ہیں۔ (گذشتہ صفحات ملاحظہ ہوں) لہذا اس کے منزل من اللہ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور جو چیز منزل من اللہ ہو اس پر ایمان نہ لانا کفر کی علامت تو ہو سکتی ہے ایمان کی علامت نہیں۔ اول تو احادیث صحیحہ مکتوب ہیں اور اگر مکتوب نہ بھی ہوں تو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا اس لئے کہ حدیث، قرآن مجید کی عملی تشکیل ہے اور یہ چیز عملاً متواتر ہے لہذا وہ بغیر مکتوب ہوئے بھی محفوظ رہ سکتی ہے جس طرح شادی کی رسمیں ہیں وہ کہیں لکھی ہوئی نہیں ہوتیں لیکن پھر بھی ان پر بالترتیب عمل ہوتا رہتا ہے اور کوئی ان میں سے چھوٹتے نہیں پاتی۔ برطانیہ کا دستور تحریر شدہ نہیں ہے پھر بھی اس کی ہر شق محفوظ ہے اور اس پر عملی تواتر شاہد ہے اور برطانوی قوم اس غیر مکتوب دستور پر ایمان رکھتی ہے۔

اعتراض ۷ قرآن کے الفاظ محفوظ ہیں لیکن حدیث کے الفاظ کہاں محفوظ ہیں؟

جواب اوّل تو احادیث کے الفاظ بھی عام طور پر محفوظ ہی ہیں اور اگر الفاظ محفوظ نہ بھی ہوں، صرف مفہوم محفوظ ہو تو بھی اعتراض کی کوئی بات نہیں۔ عمل کے لئے مفہوم ہی کی ضرورت ہے، اور باعتبار تعمیل کے کوئی نقصان لاحق نہیں ہوتا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے۔

یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ ۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے بیٹے!

اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (صٰفّٰت ۱۰۲)	میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ اب بتاؤ تم کیا کہتے ہو عرض کیا اے ابا جان! جو حکم آپ کو ملا ہے کر گزریئے۔

ابراہیم علیہ السّلام نے ایک خواب دیکھا تھا، اس خواب میں کوئی حکم الفاظ میں نہیں دیا گیا تھا بلکہ انہوں نے ایک عمل کرتے ہوئے دیکھا تھا اور اس عمل کو حکم کے مترادف سمجھتے ہوئے اس حکم کا مفہوم ذہن اور پھر الفاظ میں خود ہی ترتیب دیا تھا۔ الفاظ نازل نہیں ہوئے تھے، صرف مفہوم القار کیا گیا تھا اور مفہوم ہی کو حکم الٰہی سمجھا گیا تھا اور اس کی تعمیل کی گئی تھی۔ لہذا ثابت ہوا کہ حکم الٰہی کا الفاظ میں نازل ہونا ضروری نہیں اور نہ الفاظ کا محفوظ و مکتوب ہونا ضروری ہے، اگر اس حکم الٰہی کا مفہوم محفوظ ہو تو وہ بھی عمل کے لئے کافی ہے۔ یہی بات احادیث کے سلسلہ میں بھی صحیح ہے کہ یہاں مفہوم اللہ تعالےٰ کا ہوتا ہے اور الفاظ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے یا صحابہؓ کے۔ ان الفاظ کی حفاظت حتی الامکان بدرجۂ اتم کی گئی ہے۔ فنونِ حدیث کا سارا زور الفاظِ حدیث کی حفاظت ہی پر صرف ہوتا ہے، اس طرح محفوظ ہونے کے بعد یہ علمی آثار اسی طرح حجت ہیں جس طرح اصل کتاب۔ جس کے الفاظ بھی منزل من اللہ ہوں۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد گرامی ہے:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي	اے رسول ان سے کہیئے جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو انہوں نے زمین کی کونسی چیز بنائی ہے یا آسمان کے

السَّمٰوٰتِ ط اِیْتُوْنِیْ بِکِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ ھٰذَآ اَوْ اَثٰرَۃٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (احقاف ۴)

بنانے میں ان کی (کسی قسم کی) شرکت ہے اگر تم سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب یا علمی اثر (اپنے ثبوت میں) پیش کرو۔

اعتراض ۸ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:

وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ۔

(اے رسولؐ کہو) اور یہ قرآن میری طرف وحی کیا گیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث وحی نہیں کی گئی۔

جواب آیتِ مذکورہ کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ" صرف یہ قرآن ہی میری طرف وحی کیا گیا ہے۔" اگر یہ مطلب ہو تو منکرینِ حدیث کی دلیل صحیح ہے اور جب یہ نہیں تو پھر حدیث کے وحی ہونے سے یہ آیت مانع نہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھئے: اگر یہ کہا جائے کہ" زید انسان ہے" تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ زید کے علاوہ کوئی انسان ہی نہیں۔

اعتراض ۹ مدینہ منورہ کے لوگ کھجوروں کی تابیر کیا کرتے تھے۔" حضورؐ نے فرمایا یوں نہ کرو یوں کرو۔"

لوگوں نے تابیر نہ کی تو اس سال پھل ہی نہیں آیا۔ پھر آپؐ نے اجازت دے دی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کی ہر بات صحیح نہیں ہوتی تھی اور جب صحیح نہیں ہوتی تھی تو وحی بھی نہیں ہوتی تھی۔ (مزاج شناسِ رسول ملخصًا)

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ" یوں نہ کرو یوں کرو" یہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ہیں۔ بلکہ فرضی ہیں، آپؐ نے تو فرمایا تھا:

مَا اَظُنُّ یُغْنِیْ ذٰلِکَ شَیْئًا ۔ (صحیح مسلم) — میں نہیں گمان کرتا کہ اس سے کوئی فائدہ ہوتا ہوگا۔

اس اظہار گمان پر ہی صحابہؓ نے تابیر بند کر دی۔ وہ اس گمان کو بھی حکم سمجھے، گویا ان کا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وحی ہے ورنہ تابیر بند کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب پھل نہیں آیا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صاف اعلان کر دیا۔

فَاِنِّیْ اِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا فَلَا تُؤَاخِذُوْنِیْ بِالظَّنِّ ۔ (صحیح مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال ما قالہ شرعا دون ما ذکرہ صلّی اللہ علیہ وسلم من معایش الدنیا علی سبیل الرأی) — میں نے تو صرف گمان کیا تھا، محض گمان پر تم میری (بات) کی گرفت نہ کیا کرو۔

حدیث کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ جب آپؐ جملہ خبریہ میں کسی بات کی اطلاع دیں تو وہ ویسی ہی ہوگی جیسا کہ آپؐ نے فرمایا اور اگر صرف گمان کا اظہار کریں تو پھر اس کا صحیح ہونا ضروری نہیں ۔ ان الفاظ کے بعد آپ نے فرمایا :

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ (صحیح مسلم) — دنیاوی معاملات تم مجھ سے بہتر جانتے ہو۔

پرویز نے بھی یہ الفاظ نقل کیے ہیں لیکن اصل اعتراض کے متصل نقل نہیں کیے۔ بلکہ کچھ دور جا کر معلوم نہیں اس میں کیا راز ہے۔ (اوپر جو ترجمہ دیا گیا ہے وہ پرویز ہی کا ترجمہ ہے)

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اِذَا اَمَرْتُکُمْ بِشَیْءٍ مِّنْ دِیْنِکُمْ فَخُذُوْا بِہٖ (صحیح مسلم)

میں بھی ایک انسان ہوں لہٰذا دنیوی معاملات میں میرا ظن صحیح ہونا ضروری نہیں البتہ جب میں تم کو کسی دینی کام کا حکم دوں تو اس کی تعمیل کیا کرو۔

دینی کام کا حکم کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا آپؐ نے یہ بھی فرمایا۔

فَاِنِّیْ لَنْ اَکْذِبَ عَلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ (صحیح مسلم)

بے شک میں، اللہ عزّوجل کی طرف سے کوئی غلط بات نہیں کہہ سکتا۔

غرض یہ کہ حدیث اپنے مطلب میں صاف ہے۔ اعتراض کا جواب خود حدیث میں موجود ہے، لہٰذا اس حدیث ہی سے ثابت ہوا کہ دینی معاملات میں آپ کے احکام کی تعمیل لازمی ہے اور ان میں آپ بہ حیثیت بشر کے حکم نہیں دیتے بلکہ بہ حیثیت رسول کے حکم دیتے ہیں اور وہ حکم وحی ہوتا ہے۔

پرویز نے حدیث مذکور کے پورے الفاظ نقل نہیں کئے، غالباً اسی لئے کہ اگر پورے الفاظ نقل کر دیئے جاتے تو اعتراض بے حقیقت ہو جاتا۔

اعتراض نمبر ۱۰ | میدان جنگ کا انتخاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ سے کیا لہٰذا آپ کی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی۔

جواب | میدان جنگ کا انتخاب کوئی دینی قانون نہیں۔ دنیوی معاملہ ہے لہٰذا حدیث "اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاَمْرِ دُنْیَاکُمْ" (جواب اعتراض ۹)

کی روشنی میں یہ اعتراض کالعدم ہے۔

اعتراض ۱۱ اسیرانِ جنگِ بدر کو آپؐ نے مشورہ سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

لَوْلَا کِتَابٌ مِّنَ اللّٰہِ سَبَقَ.... اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔

(مزاج شناسِ رسول ص۱۸۵)

جواب آپؐ نے جو فیصلہ کیا وہ قانون الٰہی کے مطابق ہی تھا جیسا کہ قرآن مجید کے الفاظ اور ان کا پرویزی ترجمہ "اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا" اس پر دلالت کرتے ہیں۔ فدیہ لے کر چھوڑنے کی اجازت قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔

فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً (سورۂ محمد ۴) پھر بعد میں خواہ بطور احسان کے چھوڑ دیا جائے یا فدیہ لے کر۔

مسلمین کا مشورہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اس قرآنی اجازت کے ماتحت ہی تھا اور اس پر کوئی سرزنش نہیں کی گئی۔ جس چیز پر سرزنش کی گئی وہ دنیا طلبی تھی مشورہ قرآنی آیت کے مطابق تو ضرور تھا لیکن اس مشورہ سے بعض مسلمین کی نیت اچھی نہیں تھی وہ مال کی طلب میں یہ مشورہ دے رہے تھے۔ قرآن مجید میں جہاں سرزنش کی گئی ہے وہیں اس بات کا ذکر بھی موجود ہے۔ ارشاد ہے

تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا وَاللّٰہُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَۃَ (انفال ۶۷) تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے۔

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالےٰ کے قانون کو اللہ تعالےٰ کے خوش کرنے کے لئے ہی استعمال کرنا چاہیئے نہ کہ اپنے مفاد کی نیّت سے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جو مشورہ لیا تو اس کا آپ کو حکم تھا۔ " وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ " (آل عمران ۱۵۹) قرآنی قانون کے مطابق آپؐ نے مشورہ قبول کرکے فیصلہ فرمایا۔ لہٰذا اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلط فیصلہ کا کوئی ذکر نہیں۔ ہاں اس فیصلہ کے بعد ایک قانون اور نازل کیا گیا اور وہ یہ کہ کافروں کو قیدی نہ بنایا جائے جب تک مسلمین کی خوب دھاک نہ بیٹھ جائے۔ قرآن مجید کے الفاظ " حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ " (انفال ۶۷) اس پر دلالت کرتے ہیں۔

اعتراض ۱۲ منافقین نے جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگی آپؐ نے اجازت دے دی۔ اللہ تعالےٰ نے اس پر تنبیہ کی۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ (توبہ ۴۳) — اللہ آپ کو معاف کرے، آپ نے ان کو اجازت کیوں دی۔

لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپ کی اجازت صحیح نہیں تھی اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ آپ کی ہر بات وحی نہ ہو۔

جواب آپؐ نے جو اجازت دی وہ قرآنی حکم کے ماتحت تھی۔ ارشاد باری ہے۔

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ (نور ۶۲) — جب ایمان والے آپؐ سے اپنے کسی کام کی وجہ سے اجازت مانگیں تو آپؐ

جس کو چاہیں اجازت دے دیں۔

لہذا آپؐ کا اجازت دینا قرآن مجید کے موافق تھا نہ کہ مخالف۔ صحیح تھا نہ کہ غلط۔ اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار قرآنی حکم میں موجود ہے ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اگر آپؐ اجازت نہ دیتے تو منافقین کا پردہ فاش ہو جاتا اور اسی مصلحت کی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ آپؐ نے کیوں اجازت دے دی۔

اس آیت سے جو چیز ثابت ہوتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم عالم الغیب نہ تھے کہ آئندہ کی مصلحت آپؐ کو معلوم ہو جاتی۔ لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اجازت قرآن مجید کے مطابق نہیں تھی یا آپؐ نے قانون کی عملی تشکیل و توضیح میں غلطی کی تھی۔ خلافِ مصلحت اجازت علمِ غیب نہ ہونے کی وجہ سے واقع ہوئی اور یہ بشری فطرت ہے اس کو شریعت سازی سے کیا تعلق ہے۔ شریعت کے معاملہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم غلطی سے پاک ہیں کیونکہ شریعت کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔

اعتراض ۱۳ آپؐ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا۔

اَمۡسِكۡ عَلَيۡكَ زَوۡجَكَ اپنی بیوی کو طلاق مت دو۔

حضرت زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ حکم وحی کا ہے یا آپؐ کا ذاتی۔ آپؐ نے فرمایا " یہ وحی کا حکم نہیں " گویا آپؐ کا ہر حکم وحی نہیں ہوتا تھا۔
(مزاج شناس رسول ملخصًا)

جواب حضرت زید رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ سوال اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا جواب بالکل فرضی ہے۔ پرویز نے اسی لئے اس کو بے حوالہ

نقل کیا ہے۔ طلاق کے سلسلہ میں ایک تو ہے قانونِ طلاق۔ دوسری چیز ہے اختیارِ طلاق۔ قانونِ طلاق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوتا تھا اور اختیارِ طلاق شوہر کو ہوتا ہے۔ آپؐ نے زید سے جو کچھ کہا وہ قانون نہیں تھا۔ اگر قانون بیان کرتے تو زیدؓ کو ماننا پڑتا۔ طلاق کے اختیار کا حق زید کو تھا لہذا آپؐ نے مصلحتاً ان کو مشورہ دیا کہ ایسا مت کرو۔ مشورہ کو نہ ماننے سے حکم عدولی نہیں ہوتی۔ حکم اور چیز ہے اور مشورہ اور چیز۔ اب بھی اگر منکرینِ حدیث اس کو حکم کی نوعیت دیں تو پھر وہ یہ بتائیں کہ مرکزِ ملت کی حکم عدولی کر کے حضرت زیدؓ مجرم ہوئے یا نہیں۔ کیا اللہ تعالےٰ نے اس حکم عدولی پر کوئی تنبیہ کی یا خود مرکزِ ملت نے کوئی سزا دی؟

اعتراض ۱۴ اذان مشورہ سے طے ہوئی لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی۔

جواب منکرینِ حدیث کو غلط فہمی ہوئی۔ اذان کے پس منظر میں مشورہ ضرور شامل تھا لیکن وہ مشورہ اس لئے تھا کہ وقتِ نماز بتانے کے لئے کیا صورت اختیار کی جائے۔ اس مشورہ کے بعد بھی کوئی بات طے نہ ہو سکی (صحیح بخاری) اور بالآخر وحی کے ذریعہ (مصنف عبدالرزاق جزء اول صفحہ ۴۵۶) اور خواب کے ذریعہ (کتب حدیث) اللہ تعالےٰ نے اس مروجہ اذان کو سکھا دیا۔ اگر اس زمانہ میں گھڑی ہوتی تو غالباً مشورہ ہی نہ ہوتا کہ وقت کی اطلاع کس طرح دی جائے۔ مشورہ کی نوعیت بالکل دنیوی تھی لیکن اللہ تعالےٰ نے اسے دنیوی حیثیت سے ہٹا کر دینی کر دیا اور خود اس کی تعلیم دی۔ الغرض یہ صحیح نہیں کہ یہ دینی اذان مشورہ سے طے ہوئی تھی۔

اعتراض ۱۵ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم ۱)

اے نبی تم اس چیز کو کیسے حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی ورنہ تنبیہ کی کیا ضرورت تھی۔

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہد کھایا کرتے تھے آپ سے کہا گیا کہ اس میں سے بدبو آتی ہے۔ آپ کو بدبو سے سخت نفرت تھی آپؐ نے قسم کھائی کہ آئندہ نہیں کھاؤں گا۔ بات تو ذرا سی تھی لیکن اس کو اہمیت بہت دی گئی، یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات واجب الاتباع ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہہ دینا کہ آئندہ نہیں کھاؤں گا تحریم پر دلالت کرتا ہے اور پوری امت کے لئے یہ نمونہ قانون بن سکتا ہے کہ ہر شخص جس چیز کو چاہے اپنے اوپر حرام کر لے۔ بات بظاہر بہت خفیف تھی لیکن حقیقت میں بہت وزنی تھی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہی اقوال وافعال امت کے لئے ضابطہ حیات بنتے ہیں، انہی پر شریعت کے عملی نقشے مترتب ہوتے ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ کی کڑی نگرانی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے یا ایسا فعل صادر نہ ہو جائے جو منشائے شریعت کے منافی ہو۔

درحقیقت وحی کی دو قسمیں ہیں : قولی اور تقریری۔

قولی وحی: قول میں اللہ تعالےٰ کے احکام براہ راست نازل ہوتے ہیں مثلاً پانچ وقت کی نماز فرض کی گئی، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کو کوئی دخل نہیں تھا۔ ایسا نہیں ہوا کہ آپؐ نے اجتہاد کیا ہو اور اُسے اللہ تعالےٰ نے شرفِ منظوری بخشا ہو۔ پھر نماز کے اوقات اور نماز کا طریقہ یہ سب کا سب آپؐ کو سکھایا گیا۔ اسی طرح اور بہت سے قوانین نازل ہوئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں بیان کر دیئے۔ ایسی احادیث میں کبھی غلطی نہیں ہوئی اس لئے کہ ان میں کہا وہی گیا جو وحی کے ذریعہ بتایا گیا۔

تقریری وحی: قرآن مجید اور قولی احادیث کے ذریعہ قوانینِ الٰہیہ نازل کئے گئے۔ ان پر عمل کرنے کا طریقہ یا تو اللہ تعالےٰ نے براہِ راست قولی احادیث کے ذریعہ متعین فرمایا۔ یا کبھی ایسا ہوا کہ طریقہ متعین فرمانے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کی ضرورت ہوئی۔ آپؐ نے خود کسی طریقہ کو اختیار کر لیا۔ وحی الٰہی نے سکوت کیا تو یہ طریقہ خود بخود شریعت کا جزء بن گیا کیونکہ اس کو اللہ تعالےٰ نے منظور فرمالیا، نہ اس میں ترمیم کی نہ تنسیخ کی، نہ اصلاح کی، اور اگر کہیں کسی موقع پر اجتہاد صحیح نہیں نکلا تو وحی کے ذریعہ اس کی اصلاح کر دی گئی اور ایسی مثالیں دو تین سے زیادہ نہیں جو یہاں اعتراضات کے ضمن میں بیان کی جا رہی ہیں۔ غرض یہ کہ آپ کے تمام اجتہادات کو خواہ سکوت کے ذریعہ، خواہ اصلاح کے ذریعہ، اللہ تعالےٰ نے شرفِ منظوری بخشا۔ اگر ان میں سے ایک بھی غلط ہوتا تو ضرور وحی الٰہی کے ذریعہ اس کی اصلاح ہو جاتی اور وہ بھی قرآنی وحی کے ذریعہ۔ اصلاح کبھی حدیث کی صورت میں نازل نہیں ہوئی۔ کتبِ حدیث اس

پر شاہد ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں یہی دو تین مثالیں اصلاح کی ملتی ہیں لہٰذا قرآن مجید ہی سے ثابت ہوا کہ آپؐ کی ساری زندگی اور دین کے متعلق آپؐ کے اقوال و افعال سب اللہ تعالےٰ کی منشار کے مطابق ہیں، گویا وہ ایسے اقوال و افعال ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کر کے برقرار رکھا۔ یہ برقرار رکھنا گویا تقریری وحی ہے۔ اب ہمارے لئے کوئی گنجائش نہیں کہ اس منظور شدہ ضابطۂ حیات کو ترک کر کے دوسرا کوئی غیر منظور شدہ ضابطۂ حیات تیار کریں اور اس کو اسلامی ضابطہ کا نام دیں۔

اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآئِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآئِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ (آل عمران ۹۳)

بنی اسرائیل پر تمام کھانے کی چیزیں حلال تھیں سوائے اُس چیز کے جو اسرائیل (حضرت یعقوبؑ) نے اپنے اوپر حرام کر لی تھی۔

غالباً اسی آیت سے استنباط کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد نہ کھانے کی قسم کھائی تھی۔ اللہ تعالےٰ نے یہ اجتہاد منظور نہ فرمایا اور یہ اسرائیلی قانون منسوخ فرما دیا، اب اس امت میں سے کسی کو اختیار نہیں کہ کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے۔

اعتراض ۱۶

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ○ أَنْ جَآءَهُ الْأَعْمٰى ○ (عبس ۱، ۲)

منہ بنایا اور رُخ پھیر لیا جبکہ ان کے پاس ایک اندھا آیا۔

اس آیت میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر تنبیہ کی گئی لہٰذا

آپ کا ہر فعل وحی کے ماتحت نہیں تھا۔

جواب عَبَسَ وَتَوَلّٰی کا فاعل ابی بن خلف تھا (مسند ابی یعلی)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بن خلف سے خطاب فرما رہے تھے آپ کو اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ کوئی رئیس مسلم ہو جائے تو اسلام کی ترقی میں بڑی مدد ملے گی۔ اسی اثناء میں ایک نابینا آئے اور خطبہ کے درمیان میں انہوں نے آپ سے کوئی سوال کیا۔ تبلیغ کے والہانہ جذبہ کے تحت آپ نے تبلیغ کی طرف ہی توجہ مبذول رکھی اور ان نابینا کی طرف توجہ نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے التفاتی کو حکایتاً بیان کیا ہے۔ بظاہر عقلاً بھی اور شرعاً بھی اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی اور اس لحاظ سے آپ کا اجتہاد بالکل قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، لیکن یہ خالصۃً لوجہ اللہ اجتہاد بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اور اللہ تعالیٰ نے یہ قانون صراحتاً نہیں بلکہ اشارۃً وحکایتاً پسند فرمایا کہ مسلم کی عزت وہدایت کو بہ نسبت کفار کی عزت وہدایت کے زیادہ ملحوظ رکھا جائے۔

خلاصہ ان مذکورہ بالا دونوں اصلاحوں پر غور کیجئے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال پر اتنی سخت نگرانی کیوں ہے؟ اس کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ انہی اقوال وافعال کو پوری دنیا کے لئے ضابطہ بننا تھا لہٰذا ان کی سخت نگرانی کی جا رہی تھی، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی ایسی بات دنیا میں باقی نہ رہ جائے جو غیر صحیح ہو اور لوگ اس پر عمل کر کے غلطی کے مرتکب ہو جائیں۔ منکرین حدیث تو ان دونوں واقعات کو اس بات کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات منشائے الٰہی کے مطابق نہیں ہوتی تھی

حالانکہ یہی دونوں واقعے ہماری دلیل ہیں اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات منشائے الٰہی کے مطابق ہوتی تھی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو جس طرح ان دونوں موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے اصلاح کی، دوسرے موقعوں پر بھی اصلاح کرتا جب ان دو موقعوں پر جو بظاہر شریعت الٰہیہ اور عقل کے بالکل مطابق معلوم ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ خاموش نہ رہا تو پھر کسی اور موقع پر کیسے خاموش رہ سکتا تھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آپؐ کی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی منظور کردہ ہے اور جو دو اجتہادات منظور نہیں تھے ان کی بھی اصلاح کر کے زندگی کو بالکل خطاء سے پاک اور ذاتِ رسول کو معصوم کر دیا گیا۔ آپؐ سے غلطی ہوتی نہیں تھی اور اگر ہوتی تو اس کو باقی نہ رہنے دیا جاتا تھا۔ لہٰذا اب جو کچھ اسوۂ رسول ہمارے پاس ہے اس میں خطاء کا شائبہ تک نہیں ہے۔ پورا اسوۂ رسولؐ یا تو اللہ تعالےٰ کی قولی وحی ہے یا اللہ تعالےٰ کی تقریری وحی۔ منکرینِ حدیث کو غلط فہمی اسی وجہ سے ہوئی کہ وہ وحی قولی اور وحی تقریری میں تفریق نہ کر سکے۔

اعتراض ۱۷۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس اہل مقدمہ آتے ہیں اگر میں کسی کو کوئی چیز دلادوں اور وہ اس کا حقدار نہ ہو تو اسے اس چیز کو آگ کا ٹکڑا سمجھنا چاہیئے' چاہے لے لے چاہے چھوڑ دے گویا آپؐ کے فیصلے غلط بھی ہو سکتے تھے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ وحی نہ ہوں۔ (مزاج شناسِ رسول صـ۱۸۷ ملخصًا)

جواب قانون اور چیز ہے اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور چیز۔ آپؐ نے قانون کے متعلق یہ الفاظ نہیں فرمائے کہ وہ آگ کا ٹکڑا ہے بلکہ فیصلہ کے متعلق فرمایا کہ وہ فیصلہ آگ کا ٹکڑا ہے۔ فیصلہ کی بنیاد ثبوت اور شہادت پر ہوتی ہے۔

اگر ثبوت یا شہادت مہیا ہوگئی خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو تو رسولؐ کو بھی اسی کے مطابق فیصلہ کرنا پڑتا ہے۔ حاکم یا رسولؐ کو یہ کیسے معلوم ہوگا کہ یہ شہادت جعلی ہے۔ وہ عالم الغیب نہیں، لہٰذا فیصلہ اس لئے غلط ہو سکتا ہے کہ فیصلہ کرنے والے کو علم غیب نہیں۔ اس لئے غلط نہیں ہوتا کہ فیصلہ کرنے والے کو قانون معلوم نہیں یا وہ قانون کی منشاء کو نہیں سمجھا۔ مثلاً ایک شخص فوت ہو جاتا ہے اور صرف ایک لڑکی چھوڑتا ہے۔ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں متوفی کا لڑکا ہوں اور اس بات کو وہ جھوٹی شہادتوں سے ثابت کر دیتا ہے۔ اب رسولؐ کا فرض یہی ہے کہ وہ قانون کے مطابق اس مدعی کو متوفی کا وارث قرار دے اور اس کو لڑکی سے دوگنا حصہ دے۔ قانون کے لحاظ سے فیصلہ بالکل صحیح ہے لیکن جعلی شہادتوں کی وجہ سے فیصلہ غلط ہے۔ اب بتلایئے اس غلط فیصلہ کی وجہ سے وہ قانون کیسے غلط ہو جائے گا جس پر رسول نے عمل کیا۔ وحی کے ذریعہ سے تو صرف وہ قانون نازل ہوا ہے نہ کہ فیصلہ۔ اصل چیز وہ قانونِ تقسیم وراثت ہے جس کو رسولؐ نے اختیار کیا۔ اور وہ صحیح ہے۔ لہٰذا فیصلہ کی غلطی اس پر اثر انداز نہ ہوگی۔ فیصلہ کی غلطی اور چیز ہے اور قانون کی غلطی اور چیز ہے۔ لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ قوانین اور ضوابط کے سلسلے میں رسول اللہ کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی وہ بالکل وحی ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو شریعت درہم برہم ہو جائے، اس لئے کہ منشائے قانون کو سب سے زیادہ سمجھنے والا رسول ہی ہو سکتا ہے اور جب وہ ہی غلط سمجھے تو پھر آگے اللہ ہی حافظ ہے۔

اعتراض ۱۸ دین کے جو اصول قرآن میں دیئے گئے ہیں ان کی عملی جزئیات متعین

کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے (مزاج شناس رسول ص۲۳۶)

بعض باتیں جو مشورہ کی رو سے اختیار کی گئیں اللہ کی منشاء کے مطابق نہ نکلیں اس لئے خدا کی وحی نے ان پر تنبیہ کی (مزاج شناس رسول ص۱۸۹)

اگر رسول کی ہر بات وحی ہوتی تو پھر مشورہ سے کیا مطلب؟

(مزاج شناس رسول ص۱۸۸)

جواب | یہ بالکل غلط ہے کہ عملی جزئیات مشورہ سے متعین کی گئیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ نماز کے اوقات، نماز کی رکعات، ہر رکعت کے جزئیات، زکوٰۃ کا نصاب و شرح، زکوٰۃ الفطر کی شرح، دو عیدوں کا انعقاد وغیرہ وغیرہ یہ سب مشورہ سے طے پائے تھے؟ ہرگز نہیں۔ دین کی تمام جزئیات براہ راست وحی کے ذریعہ نازل ہوئیں، خواہ قول کی صورت میں خواہ تقریر کی صورت میں۔ پھر قول کی بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ قبل از وقت قانون کا نزول، یا اجتہاد کے بعد غیر صحیح اجتہاد کی اصلاح۔ مؤخر الذکر صورت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی میں صرف دو مثالیں ملتی ہیں اور بس۔

اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ بعض جزئیات مشورہ سے طے پائیں تو اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں۔ اس لئے کہ اگر کسی قاعدہ کو مشورہ سے اختیار کیا گیا تو وہ بھی اللہ تعالےٰ کو منظور تھا اسی لئے باقی رہا، ورنہ قرآن مجید کے ذریعہ تنبیہ و اصلاح کر دی جاتی۔ بدر کے قیدیوں کی رہائی کے متعلق جو فیصلہ مشورہ سے کیا گیا جب اس تک کو بغیر اصلاح کے نہ چھوڑا گیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ مشورہ سے کوئی غلط

قانون بن جاتا اور وحی نازل نہ ہوتی۔

مندرجہ بالا جواب محض اس مفروضہ کی بنیاد پر تھا کہ جزئیات دینی مشورہ سے اختیار کی گئیں ورنہ اصل جواب پرویز کے ان الفاظ میں موجود ہے۔

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ۔ معاملات میں ان سے مشورہ کیا کرو۔"
(مزاج شناسِ رسول ص۱۸۸)

یعنی مشورہ صرف ملکی معاملات میں ہوتا تھا، نہ کہ شریعت سازی میں شریعت سازی تو صرف اللہ کا حق ہے اور وہی اسے متعین فرماتا ہے۔ خواہ قولی وحی کے ذریعہ خواہ تقریری وحی کے ذریعہ اور یہ سب کچھ رسول کے ذریعہ ہوتا ہے رسول کے بعد نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اگر کوئی شخص شریعت سازی کرے تو وہ شرک کرتا ہے۔ البتہ قانون کی روشنی میں فیصلہ اب بھی کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیئے لیکن وہ فیصلہ خود قانون نہیں بن سکتا۔

خلاصہ غرض یہ کہ رسول کے تمام دینی کام اللہ تعالےٰ کی منظوری سے ہوتے ہیں۔ رسول کے ہر فعل و اجتہاد پر اللہ تعالےٰ کی سخت نگرانی رہتی ہے اور کہیں بھی ادنیٰ سا شوشہ بھی نہیں چھوڑا جاتا جس سے کسی قسم کی خرابی کا اندیشہ ہو، بلکہ بعض دفعہ تو بالکل دنیوی معاملات بھی اللہ تعالےٰ کی نگرانی میں طے پاتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یلو معاملات میں اللہ تعالےٰ دخل دیتا ہے تاکہ پوری امت کے لئے نمونہ بننے میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ صلح حدیبیہ بھی ایسا ہی ایک دنیوی معاملہ ہے اور اس صلح میں جو کچھ ہوا یہ بالکل اس کے برعکس ہے جو اللہ تعالےٰ فتح بدر کے دن دیکھنا چاہتا تھا۔ فتح بدر میں تو اس پر خفگی کا اظہار کیا گیا کہ دشمن پر

دھاک بٹھانے سے پہلے قیدیوں کو کیوں چھوڑا گیا۔ قیدیوں کو قتل کر دیا جاتا تاکہ دشمن مرعوب ہوتا۔ لیکن اس کے بالکل برخلاف صلح حدیبیہ میں ہر قسم کے مغلوبانہ شرائط کو قبول کیا جاتا ہے۔ ان شرائط سے مسلمین کی جو دھاک بیٹھ چکی تھی وہ ختم ہو رہی تھی۔ یہ شرائط رائے عامہ کے بھی خلاف تھیں لیکن بایں ہمہ صلح ہوئی اور ان ہی مغلوبانہ شرائط کے ساتھ ہوئی اور جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپؐ نے فرمایا:

يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ' (صحیح بخاری تفسیر سورۃ الفتح)

اے خطاب کے بیٹے میں اللہ کا رسول ہوں۔

اور یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کے تمام اعتراضات کو ختم کر دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ آپؐ جو کچھ کر رہے تھے وہ حکمِ الٰہی کے ماتحت تھا۔ اس لئے آپؐ نے ان الفاظ کے بعد فرمایا۔

وَلَنْ يُّضَيِّعَنِیْ اللّٰهُ اَبَدًا (صحیح بخاری)

اللہ ہرگز کبھی بھی مجھے ضائع نہیں کرے گا۔

صلح حدیبیہ میں جو مصلحت تھی اس کو کون جان سکتا تھا۔ صلح دب کر کی جا رہی تھی لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس پر مطمئن تھے۔ آخر یہ اطمینان کس بناء پر تھا؟ سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ یہ صلح اللہ کے حکم سے کر رہے تھے اور یہ یقین رکھتے تھے کہ جب اللہ ہی کا یہ حکم ہے تو اللہ آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ یہ حکم قرآن میں کہیں نہیں، لہذا ثابت ہوا کہ وحی قرآن مجید کے علاوہ بھی آتی تھی۔ صلح کے بعد قرآنی آیات نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا اور آئندہ کے واقعات نے بتا دیا۔

کہ یہ مغلوبانہ شرائط کس حد تک مفید ثابت ہوئیں۔ اور ان میں کیا غیبی مصلحت تھی۔ اس غیبی مصلحت کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوا اور کس طرح آپؐ نے بغیر مشورہ بلکہ عام مسلمین کے انتہائی غیظ و غضب کے باوجود اس مصلحت کو ترجیح دی۔ مسلمین کی جماعت میں انتشار و مخالفت کے اندیشہ سے بھی آپؐ نے کسی قسم کی تبدیلی نہیں فرمائی، بلکہ ان مغلوبانہ شرائط پر جمے رہے۔ کیا یہ سب کچھ بغیر حکم الٰہی کے ہو رہا تھا۔ ہرگز نہیں بلکہ ہر چیز وحی کی روشنی میں ہو رہی تھی اور آپؐ ان پریشان کن حالات میں بھی مجبور تھے کہ ان شرائط کو منظور کریں۔ ان کو منظور کرتے وقت کسی قسم کا خوف و ہراس یا مرعوبیت آپؐ پر طاری نہیں تھی بلکہ پورے اطمینان اور توکل سے ان شرائط کو منظور فرمایا۔ حدیث کے وحی ہونے کا اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اگر وحی نہ آئی ہوتی تو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ کو بموجب حکم الٰہی صحابۂ کرام کے مشورہ سے طے فرماتے۔ باوجود قرآنی حکم "کہ معاملات میں مشورہ کیا کرو" آپ کا مشورہ نہ کرنا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ آپؐ یہ صلح وحی کے ماتحت کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ سے جب اس مغلوبانہ صلح کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے بھی یہی فرمایا تھا "وہ بے شک اللہ کے رسول ہیں، اللہ انہیں کبھی ضائع نہیں کرے گا" (صحیح بخاری) گویا حضرت ابوبکرؓ بھی سمجھ گئے تھے کہ یہ معاملہ بوحی الٰہی طے پا رہا ہے۔

نتیجہ | ان تمام مباحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تمام احکام دینیہ اور ان کی تمام جزئی تفصیلات وحی کے ذریعہ آتی تھیں۔ اللہ تعالےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول و فعل اور اجتہاد کی نگرانی کرتا تھا اور اگر کہیں کسی معاملہ میں کوئی خطا ہو جاتی تھی تو فوراً قرآنی وحی کے ذریعہ اصلاح نازل ہو جاتی

تھی اور یہ اصلاح پوری زندگی میں صرف دو مرتبہ نازل ہوئی ۔ ایک مرتبہ شہد نہ کھانے کے سلسلے میں، دوسری مرتبہ نابینا سے التفات نہ کرنے کے سلسلے میں ۔ لہذا آپ کی تمام زندگی کے واقعات غلطی وخطاء کے شائبہ سے پاک و منزّہ ہیں ان پر اللہ تعالےٰ کی مہر رضا ثبت ہے ۔ وہ اللہ تعالےٰ کی منشاء کے مطابق ہیں اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ان کی پیروی کا حکم دیا ہے اور پیروی کو ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے ۔ ارشاد باری ہے ۔

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (اعراف ۱۵۸) رسول کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت مل جائے ۔

اعتراض ۱۹ احادیث سازی اور احادیث کو حجّت تسلیم کرنا یہ ایک عجمی سازش تھی جو اسلام کو بدنام کرنے کے لئے کی گئی تھی ۔

جواب معترضین نے یہ ایک نیا شوشہ چھوڑا ہے اور ثبوت میں صرف یہ کہہ دیتے ہیں کہ کیونکہ اکثر محدثین عجمی تھے لہذا یہ ان ہی کا کارنامہ ہے کہ احادیث کو حجت بنایا اور پھر اپنے مطلب کی احادیث گھڑیں جن سے اسلام بدنام ہو، اسلام کی ترقی رک جائے ۔ یہ اعتراض کسی طرح بھی صحیح نہیں ۔ معترضین اس سازش کا کوئی ثبوت نہیں دے سکے ۔ نہ اسکی نشاندہی کر سکے کہ یہ کب شروع ہوئی ۔ کس نے شروع کی ۔ اس کا مرکز کہاں تھا ۔ ان لوگوں کی خفیہ مجالس کہاں ہوتی تھیں ۔ اسلامی حکومت کو اس سازش کا علم ہوا یا نہیں ۔ یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ اسلامی اقتدار کے دور میں ایسی سازش موجود ہو لیکن اسلامی حکومت اور تمام عرب مسلمین اس سے بے خبر ہوں ۔ سازش کا علم کسی کو نہ ہو سکا اور اب تیرہ سو سال سے زائد عرصہ گذرنے کے بعد اس سازش کا

علم منکرینِ حدیث کو ہوا۔ لہٰذا یہ عجمی سازش کا شاخسانہ صرف ایک مفروضہ ہے۔ حقیقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

دوم یہ کہ حدیث کی خدمت میں عرب کے محدثین بھی برابر کے شریک تھے پھر اسلامی حکومت بھی اس کی حفاظت کرتی تھی۔ اس کی تدوین و اشاعت کرتی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ و دیگر خلفاء کی مرتّب کردہ حدیث کی کتابوں کا ذکر آگے آرہا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ سب احادیث کی تعلیم و اشاعت میں برابر کے حصّہ دار تھے۔ غرض یہ کہ پورا معاشرہ اور حکومتِ قرآنیہ دونوں مل کر حدیث کی حفاظت کر رہے تھے۔ اُسے حجّت سمجھتے تھے۔ گویا یوں کہنا چاہیئے کہ عرب و عجم۔ حکومت اور عوام سب اس خدمت میں شریک تھے۔ خدمت و حفاظت میں ان سب کا شریک ہونا ایک مسلّمہ تاریخی حقیقت ہے اور صرف تاریخی حقیقت ہی نہیں بلکہ مسلمین کا متواتر عمل پکار پکار کر اس کی شہادت دے رہا ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ سے لے کر اب تک حدیث کو حجّت تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ سب اس سازش میں شریک تھے۔ کوئی ایک شخص بھی اسلام کا حقیقی دوست باقی نہیں رہا تھا تو پھر قرآن مجید بھی ان ہی سازش کرنے والوں کے ذریعہ ہمیں ملا ہے اس کے متعلق کیا رائے ہے۔ کیا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ خلفائے ثلاثہؓ کی سازش سے قرآن مجید میں ردّ و بدل ہوا صحیح ہے؟ منکرینِ حدیث ذرا سوچ سمجھ کر جواب دیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ بعض احادیث ایسی ملتی ہیں، جن سے عجمی جاہلیت کو تقویت

پہنچتی ہے لہذا عجمی سازش بالکل قرین قیاس ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث کو صحیح کس نے کہا؟ ان گھڑی ہوئی احادیث کی وجہ سے صحیح احادیث کیسے ترک کر دی جائیں گی۔ اگر یہ کہا جائے کہ بعض صحیح احادیث میں بھی ایسا مضمون پایا جاتا ہے تو اس کا جواب صرف اتنا ہے کہ وہ مفہوم خود تراشیدہ اور غلط فہمی پر مبنی ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے متعلق بھی اگر کوئی شخص یہ دعوےٰ کرے کہ اس میں عجمی افکار کی جھلک ہے اور ثبوت میں مندرجہ ذیل آیات پیش کرے تو اس کا کیا جواب ہوگا۔ وہ آیات یہ ہیں۔

۱۔ فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (نمل ۸ و ۹)	جب حضرت موسیٰؑ اس آگ کے پاس آئے تو انہیں آواز آئی کہ آگ میں اور اس آگ کے اردگرد جو ہستی ہے وہ برکت والی ہے اور (اے موسیٰ) اللہ جو رب العالمین ہے تمام برائیوں سے پاک و منزہ ہے (پھر آواز آئی) اے موسیٰ وہ ہستی میں اللہ عزیز و حکیم ہوں۔
۲۔ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○	جب حضرت موسیٰؑ آگ کے پاس آئے تو اس مبارک مقام میں وادی ایمن کی طرف سے درخت میں سے آواز آئی "اے موسیٰؑ، میں اللہ رب

(قصص ۳۰) العالمین ہوں۔"

نعوذ باللہ کیا ان آیات کو آتش پرستی اور شجر پرستی کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ اگر اعتراض محض اعتراض کے لئے ہو تو بات دوسری ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کا کسی چیز پر تجلی فرمانا اس چیز کو اللہ نہیں بنا دیتا۔

اعتراض نمبر ۲۰ اگر احادیث وحی کی ہی ایک قسم ہے تو اس کو قرآن کے ساتھ مخلوط کیوں نہ کر دیا گیا؟

جواب یہ بھی لایعنی اعتراض ہے۔ کیا ہم سوال کر سکتے ہیں کہ

(۱) حضرت خضر نے جس بچے کو کسی مصلحت سے قتل کیا تھا اُسے پیدا ہی کیوں کیا گیا تھا۔

(۲) وہ دیوار اللہ تعالیٰ نے گرائی ہی کیوں تھی جس کی مرمت کے لئے حضرت خضر کو وہاں جانا پڑا۔

(۳) چاند و سورج کی گردش مقرر کر کے پھر اس میں (نعوذ باللہ) یہ خامی کیوں رکھی گئی کہ چاند گرہن و سورج گرہن ہوتا رہے۔

(۴) ننانوے دُنبیوں اور ایک دُنبی کا مقدمہ اس انداز سے کیوں بیان کیا گیا کہ اس سے اہل کتاب کے اُس افسانہ کی تائید ہو جس میں یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں اور پھر بھی وہ اوریا کی بیوی کے خواہاں تھے (نعوذ باللہ من ذٰلک)

(۵) حروف مقطعات کا کیا مطلب ہے؟ اگر مطلب ہے تو بتایا کیوں نہیں گیا؟

اصلی جواب | اب اصل جواب سنیئے۔ قرآن مجید کی حیثیت آئین و دستور (CONSTITUTION) کی ہے۔ وہ بنیادی چیزیں بیان کرتا ہے، عموماً جزئیات کی تفصیل میں نہیں جاتا جس طرح آئین میں تمام قوانین و فرامین (ACTS AND ORDINANCES) اور قواعد و ضوابط (RULES AND REGULATIONS) نہیں ہوتے، اسی طرح قرآن مجید میں بھی ان تمام قوانین اور فرامین اور قواعد و ضوابط کو نہیں رکھا گیا۔ اگر آئین میں یہ سب چیزیں شامل کر دی جائیں تو آئین کے بہت زیادہ ضخیم ہو جانے سے اس کی افادیت کم ہو جائے گی۔ لہذا بنیادی نصب العین کے لئے قرآن مجید کو علیحدہ رکھا گیا تاکہ بآسانی اس کو حفظ کیا جا سکے اور اس کی تلاوت ہو سکے اور ہر شخص محض ضخامت سے خوفزدہ ہو کر اس سے بیگانہ نہ ہو جائے جیسا کہ دوسری کتابوں کا حال ہے۔

انتباہ | اوپر دی ہوئی تمثیل سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آئین اور اس کے ماتحت قوانین اور قرآن مجید اور اس کے ماتحت نازل کردہ حدیثی قواعد و ضوابط ہر لحاظ سے مشابہ ہیں۔ نہیں، آئین اور قوانین کو مجلس دستور ساز بدلتی رہتی ہے لیکن قرآنی آئین اور احادیث میں بیان کردہ قوانین و ضوابط ابدی ہیں ان میں تبدیلی کوئی فرد یا جماعت نہیں کر سکتی۔

اعتراض ۲۱ | اگر حدیث وحی ہے تو پھر اس میں اور قرآنی وحی میں اختلاف کیوں ہے۔؟

جواب | یہ قطعاً صحیح نہیں کہ صحیح حدیث اور کسی قرآنی آیت میں تضاد ہے۔

غلط فہمی سے قرآنی آیت کا ترجمہ یا حدیث کا ترجمہ غلط کیا جائے تو پھر یہ ممکن ہے کہ تضاد محسوس ہو۔ اس طرح تو قرآنی آیات میں بھی تضاد واقع ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ قرآن مجید کا قصور نہیں بلکہ فہم کا قصور ہے مثلاً اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

۱۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ (البقرۃ ۶)

بے شک جو لوگ کافر ہیں ان کو آپ ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، دونوں چیزیں برابر ہیں، وہ ایمان نہیں لائینگے۔

دوسری آیت میں ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ (نصر ۱،۲)

جب اللہ کی مدد اور فتح آگئی اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ لوگ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔

پہلی آیت میں ہے کہ کافر مسلم نہیں ہوں گے، دوسری میں ہے کہ کافر فوج در فوج مسلم ہو گئے۔

۲۔ اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ (آل عمران ۱۴۰)

اگر تم کو (جنگ اُحد میں) نقصان پہنچا تو اسی کے برابر کافر قوم کو بھی (جنگ بدر میں) نقصان پہنچ چکا ہے۔

دوسری آیت میں ہے۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا (آل عمران ۱۶۵)

اور جب تم کو (جنگ اُحد میں) نقصان پہنچا تو اس سے دوگنا نقصان تم

نے (جنگ بدر میں) کافروں کو پہنچایا
تھا۔
پہلی آیت میں کافروں کا نقصان مسلمین کے نقصان کے برابر اور دوسری میں کافروں کا نقصان مسلمین کے نقصان سے دوگنا۔

۳۔ قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا (توبہ ۵۱) — کہہ دو کہ ہم کو ہرگز کوئی برائی نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے۔

دوسری آیت میں ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ (شوریٰ ۳۰) — اور جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ تھی۔

پہلی آیت میں تقدیر پر زور ہے۔ دوسری میں تدبیر ہی سب کچھ ہے۔

نتیجہ | الغرض غلط فہمی کی بناء پر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ آیات میں بھی تضاد ہے لہذا نہ یہ صحیح نہ وہ صحیح۔ یا یہ کہ ایک صحیح ہے اور دوسری غیر صحیح۔ تو کیا اس ظاہری تضاد کی وجہ سے ہم بھی یہ سمجھ لیں کہ واقعی تضاد ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح کسی قرآنی آیت میں اور حدیث میں بظاہر تضاد نظر آئے تو وہ تضاد غلط فہمی پر مبنی ہوگا۔ حقیقتاً نہیں ہوگا۔ لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ بعض احادیث قرآن سے ٹکراتی ہیں۔ ہاں اگر قرآنی آیت کا ترجمہ ہی غلط کیا جائے اور اپنے مزعومہ دعویٰ کی دلیل میں اس ترجمہ کو پیش کیا جائے تو پھر بات ہی دوسری ہے۔ حدیث قرآن مجید کے خلاف تو نہیں ہوگی بلکہ اس غلط ترجمہ کے خلاف ہوگی جو کسی نے اپنی

واضح کر دیا ہے اور یہ بات قرآنی آیات کے ساتھ بھی پیش آ سکتی ہے۔ لہذا جب اس مفروضہ تضاد کی بناء پر قرآن کو نہیں چھوڑا جا سکتا تو حدیث کو بھی نہیں چھوڑا جا سکتا۔ دراصل بات یہ ہے کہ قرآنی آیت کا ترجمہ ہی وہ ہو گا جو حدیث میں مذکور ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح قرآن مجید تو حجت نہ ہو اور بعد کے کسی ایک فرد کی تشریح حجت ہو۔

باب ششم

منکرین حدیث کے سربراہ کی تحریروں سے حجیّت حدیث کا ثبوت

اب ہم حجیت حدیث کے مضمون کو منکرینِ حدیث کے سربراہ پرویز کے اقتباسات پر ختم کرتے ہیں۔

اقتباس ۱

رسول پر ایمان | "ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جب رسول یہ کہے کہ خدا نے مجھے یہ حکم دیا ہے تو ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ خدا نے واقعی یہ حکم دیا ہے یعنی رسول کا وہ حکم اُسے خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملا ہے۔"

(مزاج شناس رسول مصنفہ پرویز ص۱۱)

حدیث کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی کہا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے لہذا اُسے تسلیم کیجئے۔

اقتباس ۲

"حضرات انبیاء کرام کے ذمہ ابلاغ رسالت بھی ہے اور پھر اس وحی پر عمل کر کے یہ دکھانا بھی ہے کہ اس دنیا میں کس طرح خدا کی حکومت متمکن ہوتی ہے۔"

(معارف القرآن مصنفہ پرویز جلد ۲ ص۱۵۴)

حدیث ہی اس وحی کی عملی تشکیل ہے۔ حدیث ہی یہ بتاتی ہے کہ کس طرح

دکس سنت سے) اللہ تعالیٰ کی حکومت متمکن ہوتی ہے۔ (سنت کے معنی طریقہ) ۔جب عمل کرکے دکھانا اور اللہ تعالیٰ کی حکومت کو متمکن کرنے کا طریقہ بتانا رسول کے ذمہ ضروری ہے تو پھر اس ضروری چیز کا اتباع بھی ضروری ہے۔

اقتباس ۳

"اس کا خدا ارحم الراحمین اور اس کا رسول رحمۃ للعالمین اس لئے وہ عبد مؤمن جو اپنے خدا کی صفات اپنے اندر منعکس کرے اور اپنے رسول کے اسوۂ حسنہ کو مشعلِ ہدایت بنائے فطرۃً رحمت و رافت کا پیکر ہوگا اور ساری دنیا کے ستائے ہوئے انسان کو اسی کے دامنِ رحمت میں پناہ ملے گی۔"

(معارف القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۶۰)

پرویز کی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ اسوۂ رسول کو عبد مؤمن سے ایک خاص تعلق ہے۔ لہذا اسوۂ رسول کی اتباع قیامت تک کے لئے ہر عبد مؤمن پر فرض ہے، نہ کہ عارضی طور پر کہ بس آپؐ کی زندگی تک فرض تھی، بعد میں نہیں۔

اقتباس ۴

"وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ	(یقیناً) میری رحمت ہر شے کو محیط ہو
شَیْءٍ فَسَاَکْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ	رہی ہے پس میں ان لوگوں کے لئے رحمت
یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ	لکھ دوں گا جو تقویٰ شعار ہوں گے۔
وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۝	زکوٰۃ ادا کریں گے اور ہماری آیات پر
اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ	ایمان لائیں گے یعنی وہ لوگ جو اس

النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ (اعراف ۱۵۶ و ۱۵۷) (عربی) نبی امی کی اتباع کریں گے۔"
(معارف القرآن جلد اول صہ۵۵)

مندرجہ بالا آیت کے تسلسل میں جو قرآنی عبارت ہے وہ بھی قابل دید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِہٖ وَعَزَّرُوْہُ وَنَصَرُوْہُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَہٗٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا نِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ

(رسول عربی نبی امی کون ہے) وہ جس کے تذکار جلیلہ ان کے پاس توریت اور انجیل میں موجود ہیں۔ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے اور پاک چیزیں ان کے لئے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے، اور ان سے (سخت احکام اور رسم و رواج کے) بوجھ اور ان پھندوں کو (جو ان کے گلے میں پڑے ہوتے ہیں) دور کرتا ہے۔ پس جو لوگ اُس پر ایمان لائیں گے اس کا احترام کریں گے اور اس کی مدد کرینگے اور اُس نور کی اتباع کریں گے جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (اے رسولؐ) آپ

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ (اعراف ۱۵۷ و ۱۵۸)

کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (اُس اللہ کا رسول) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، وہی مارتا ہے، وہی جلاتا ہے۔ پس اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے اُس رسول نبی امّی پر بھی ایمان لاؤ جو رسول کہ خود بھی اللہ اور اُس کے کلمات پر ایمان لاتا ہے۔ (اے لوگو) اُس (رسول) کا اتباع کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔

مندرجہ بالا آیات سے جو نتائج برآمد ہوئے وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ رحمت کے وہ لوگ حقدار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کا حکم دیتے ہیں (یعنی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا حکم خواہ وہ قرآنی آیت کی صورت میں ہو یا حدیث کی صورت میں، نیکی ہوگا لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکم عدولی نیکی سے محرومی ہے اور نیکی سے محرومی جنّت سے محرومی ہے)

۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بُری بات سے روکتے ہیں۔

۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاک چیزیں حلال کرتے ہیں۔

۶۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپاک چیزیں حرام کرتے ہیں۔

۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سختیوں اور غیر ضروری پابندیوں کو دور کرتے ہیں۔

۸۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ، ان کا احترام کرو اور مدد کرو۔

۹۔ جو نورِ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو (یہ پہلے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیث بھی نازل ہوئی ہے لہذا نور سے قرآن و حدیث دونوں مراد ہوتے ہیں)۔

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک ہر انسان کے لئے نمونۂ ہدایت ہیں۔

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو تاکہ ہدایت مل جائے یعنی پیروئ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ہدایت نہیں ملے گی۔ ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و اہمیت اور اتباع کا کتنا واضح اور شاندار بیان ہے۔ کیا یہ سب باتیں مرکزِ ملت کے لئے بھی بیان کی گئی ہیں؟ کیا "مرکزِ ملت" اس عظمت و شان کا مالک ہو سکتا ہے؟ کیا مرکزِ ملت کا لفظ قرآن میں کہیں استعمال ہوا ہے؟

ان آیات اور ان کے علاوہ تمام آیات میں کہیں بھی یہ مذکور نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف وہ بات ہدایت ہے جو قرآنی آیت کی صورت

ہیں وہ بیان کریں اور دوسری بات ہدایت نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو واجب التعمیل کہا گیا ہے لہذا قرآن مجید کی پیروی بھی واجب ہے اور حدیث کی پیروی بھی واجب ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	اے نبی ہم نے تم کو شاہد، بشارت دینے
شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ○	والا، ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے
وَّدَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ	اللہ کے راستے کی دعوت دینے والا اور روشن
وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا ○	چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

(احزاب ۴۵ و ۴۶)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روشن چراغ ہیں، یعنی نورِ ہدایت آپؐ ہی کی ذات سے وابستہ ہے جو اس روشن چراغ سے روشنی حاصل کرتا ہے، وہی ہدایت یاب ہے۔ جس طرح پڑھنے کے لئے روشنی کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے سراج منیر (روشن چراغ) کی ضرورت ہے۔ کیا ہے کوئی شخص جو یہ کہہ دے کہ مجھے تاریکی میں رہنا مقصود ہے لیکن چراغ کی ضرورت نہیں۔

اللہ کا نورِ ہدایت دو نوروں پر مشتمل ہے۔ ایک نور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ کی احادیث ہیں، دوسرا نور قرآن مجید ہے۔ ان دونوں میں سے اگر ایک بھی نور نہ ہو تو گمراہی لازمی ہے۔ جس طرح تاریکی میں بینائی کا نور کام نہیں دیتا اور جس طرح نابینا کو دن کی روشنی مفید نہیں ہوتی اسی طرح

جو شخص قرآن کو چھوڑ کر ذاتِ رسول ہی کو سب کچھ سمجھ لے گا اور خود ساختہ طریقت میں گرفتار ہوگا وہ گمراہ ہو جائے گا، اور جو شخص رسول کو چھوڑ کر قرآن پر عمل کرنے کی کوشش کرے وہ بھی گمراہ ہو جائے گا۔ جس طرح دیکھنے کے لیے دو روشنیوں کی ضرورت ہے ایک بینائی کی روشنی۔ دوسرے چراغ کی روشنی، بالکل اسی طرح ہدایت کے لئے بھی دو روشنیوں کی ضرورت ہے۔ قرآن کی روشنی اور سراج منیر یعنی رسول کی روشنی۔ جس طرح بینائی اور چراغ کی روشنی لازم ملزوم ہیں بالکل اسی طرح نورِ قرآن اور نورِ رسول لازم وملزوم ہیں۔ کسی ایک سے محرومی ظلمت وضلالت ہے۔

باب ہفتم

تدوینِ حدیث پر اعتراضات

حفاظت احادیث | عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی حفاظت کا کوئی انتظام واہتمام نہیں فرمایا بلکہ ان کی حفاظت سے روکا اور منع کیا۔ لیکن یہ اعتراض مبنی بر حقیقت نہیں۔ قبل اس کے کہ یہ بتایا جائے کہ ان روایات کی کیا حقیقت ہے جن میں حفاظت یا کتابت احادیث سے روکا گیا ہے، ہم یہ بتلاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفاظتِ حدیث کا کیا کیا اہتمام فرمایا۔ ثبوت کے لئے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے وفد کو امورِ دینی کی تعلیم دی۔ ان اُمور میں ایسے احکام بھی شامل تھے جن کا قرآن مجید میں کوئی ذکر نہیں۔ وفد کو رخصت کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وصیت کی۔

اِحۡفَظُوۡ هُنَّ وَاَخۡبِرُوۡابِهِنَّ مَنۡ وَّرَاءَ كُمۡ (صحیح بخاری کتاب الایمان باب اداء الخمس من الایمان)	ان احکام کی حفاظت کرنا اور اپنے پیچھے والوں کو اِن سے مطلع کردینا۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں :

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ فِي الْاَيَّامِ كَرَاهَةَ السَّآمَةِ عَلَيْنَا۔
(صحیح بخاری کتاب العلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بعض) ایام میں وعظ و نصیحت کے ساتھ ہماری خبر گیری کرتے تھے لیکن ہماری سہولت کی خاطر بیچ میں ناغہ بھی کر دیا کرتے تھے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کہتے ہیں۔

اِنَّهُ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلٰثًا حَتّٰى تُفْهَمَ عَنْهُ
(صحیح بخاری کتاب العلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی مسئلہ بیان فرماتے تو اسے تین مرتبہ دہراتے یہاں تک کہ خوب اچھی طرح سمجھ میں آجاتا۔

کتب حدیث میں ان مسائل کی مثالیں ملتی ہیں اور یہ مسائل ایسے ہیں جو قرآن مجید میں نہیں ہیں۔

۴۔ ایک مرتبہ احادیث بیان کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَاِنَّ الشَّاهِدَ عَسٰى اَنْ يُّبَلِّغَ مَنْ هُوَ اَوْعٰى لَهُ مِنْهُ۔
(صحیح بخاری کتاب العلم)

حاضر کو چاہیئے کہ غائب کو میری باتیں پہنچا دے اس لئے کہ شاید حاضر اس شخص کو پہنچائے جو اس سے زیادہ اس کو محفوظ کر سکے۔

متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

۵۔ یمن کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا:

اِبْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا يُعَلِّمُنَا السُّنَّةَ وَالْاِسْلَامَ	ہمارے ساتھ کسی آدمی کو بھیج دیجئے جو ہمیں سنت اور اسلام کی تعلیم دے۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج دیا۔

۶۔ ایک عورت آئی اور عرض کیا:

ذَهَبَ الرِّجَالُ بِحَدِيْثِكَ فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ نَفْسِكَ يَوْمًا نَأْتِيْكَ فِيْهِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ قَالَ اجْتَمِعْنَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا (صحیح مسلم کتاب البر و الصلۃ وروی البخاری فی کتاب العلم نحوہ)	(اے اللہ کے رسولؐ) مرد تو آپؐ سے احادیث حاصل کرتے رہتے ہیں ہمارے لئے بھی کوئی دن اپنی طرف سے مقرر فرما دیجئے تاکہ ہم آپؐ کے پاس حاضر ہو جایا کریں اور جو باتیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھائی ہیں آپؐ ہمیں بھی بتا دیا کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "فلاں فلاں دن جمع ہو جایا کرو"

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ سب مل کر احادیث سیکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کو سکھایا کرتے تھے مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دن مقرر تھے۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صحابیاتؓ احادیث کو بھی اللہ تعالیٰ

کی طرف سے نازل شدہ سمجھتی تھیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی تردید نہیں فرمائی۔ گویا احادیث کا وحی الٰہی ہونا ایک مسلمہ امر تھا۔

۷۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں:

تَرَکَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا طَائِرٌ یَطِیْرُ بِجَنَاحَیْہِ اِلَّا عِنْدَنَا مِنْہُ عِلْمٌ (صحیح ابن حبان جزاول ص۶۴)	ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں چھوڑا ہے کہ کوئی پرندایسا نہیں جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے مگر یہ کہ اس کے متعلق ہمارے پاس آپ کا دیا ہوا علم موجود ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بڑی تفصیل سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کی تعلیم دی تھی۔

حدیث کی تبلیغ کرنے والے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء

۸۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَءً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ (صحیح ابن حبان جزاول ص۶۵ وردی	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو ہم سے حدیث سنے پھر اس کو اسی طرح پہنچادے جس طرح سنا ہے، اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس کو یہ پہنچائی

الترمذی فی کتاب العلم نحوہٗ) | جاتی ہے وہ پہنچانے والے سے زیادہ محفوظ کرنے والا ہوتا ہے۔

یہ حدیث متعدد صحابہؓ سے مروی ہے (مرعاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص۱۹۵)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث کی تبلیغ کی ترغیب دیا کرتے تھے بلکہ اس کے محفوظ رکھنے کے طریقہ کی طرف نشاندہی فرما دیا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کا احادیث کی اہمیت کے متعلق اعلان فرمانا

۱۔ مقدام رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ اَلَا یُوْشِکُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِھٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْہُ وَمَا وَجَدْتُّمْ فِیْہِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْہُ اَلَا لَا یَحِلُّ لَکُمْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اُسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے۔ خبردار عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر اس طرح کہے گا کہ قرآن کو لازم پکڑ لو، پس جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اُسے حرام سمجھو۔ خبردار! تمہارے لئے شہری

اَلْحِمَارُ الْاَهْلِیُّ الخ (ابوداؤد — گدھا حلال نہیں وغیرہ وغیرہ الخ
کتاب السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۴ وروی
الترمذی نحوہٗ)

۲۔ ابو رافع رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَاْتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ اَوْ نَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ لَا نَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اتَّبَعْنَاہُ (ابوداؤد کتاب السنۃ جلد ۲ صفحہ ۲۸۷ وروی الترمذی نحوہٗ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ہرگز تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور جب میرا کوئی حکم اس کو سنایا جائے یا میری ممانعت اس کو پہنچے تو وہ کہے ہم اسے نہیں جانتے ہم تو صرف اس کی اتباع کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں ہمیں ملتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی ماخذ قانون بنانا

۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔

یَاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ قَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ

اے لوگو میں تم میں وہ چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے

فَلَنْ تَضِلُّوْا اَبَدًا كِتَابَ اللهِ	رہے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز اللہ
وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ (مستدرک حاکم جلد اوّل صـ۹۳)	کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ شَيْئَيْنِ	میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔
لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُمَا كِتَابَ اللهِ	ان کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے
وَسُنَّتِيْ وَلَنْ يَتَفَرَّقَا حَتّٰى يَرِدَا	اللہ کی کتاب اور میری سنت اور یہ
عَلَيَّ الْحَوْضَ (مستدرک حاکم جلد	دونوں ایک دوسرے سے ہرگز علیحدہ
اول صـ۹۳)	نہیں ہوں گی یہاں تک کہ وہ دونوں
	میرے پاس حوض کوثر پر آئیں۔

غرض یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کے ماخذِ قانون ہونے کا اعلان لاکھوں صحابہ کے مجمع میں فرمایا۔ یہ اعلان آخری حج میں کیا گیا۔ گویا اس اعلان کی حیثیت وصیت کی بھی تھی۔ پھر ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ قرآن و سنت دونوں میں تفریق نہ ہوگی" ان میں روزِ محشر تک علیحدگی ناممکن ہے" یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ میری زندگی میں تو قرآن کے ساتھ سنت وابستہ رہے اور بعد والے سنت کو قرآن سے علیحدہ کردیں۔ اس اعلانِ عام سے صاف ثابت ہوا کہ حدیث قیامت تک کے لئے حجتِ شرعیہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتابتِ احادیث

کتابت حدیث پر عموماً دو اعتراض کئے جاتے ہیں اور ان اعتراضات کو بنیاد بنا کر حدیث کے حجت شرعیہ ہونے سے انکار کیا جاتا ہے۔

پہلا اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے منع فرما دیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے:۔

لَا تَكْتُبُوْا عَنِّيْ وَمَنْ كَتَبَ عَنِّيْ غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ — میری طرف سے کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے اُسے چاہیئے کہ اُسے مٹا دے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ احادیث حجت شرعیہ نہیں، اگر حجت شرعیہ ہوتیں تو لکھنے سے کیوں منع کیا جاتا۔

دوسرا اعتراض احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں لہذا وہ مشکوک ہیں اور جو چیز مشکوک ہو وہ حجتِ شرعیہ کیسے ہو سکتی ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ تو صحیح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کو لکھنے سے منع فرما دیا تھا لیکن اس کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ احادیث قرآنی آیات کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں۔

(۲) اسی حدیث میں آگے یہ الفاظ ہیں۔

وَحَدِّثُوْا عَنِّيْ وَلَا حَرَجَ — مجھ سے حدیثیں بیان کرو، اس میں
(صحیح مسلم باب التثبت فی الحدیث) — کوئی حرج نہیں۔

اس جملے سے صاف ثابت ہوا کہ حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ مخلوط کرنے سے روکا جا رہا ہے[1] محض حدیث کے بیان کرنے سے نہیں روکا جا رہا، بلکہ حدیث کو بیان کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس وضاحت کے ساتھ کہ اس میں کوئی حرج نہیں یعنی التباس کا کوئی خطرہ نہیں۔

(۳) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس میں صرف بیان کرنے کی اجازت ہے، حجت شرعیہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث میں آگے یہ الفاظ ہیں۔

وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا — اور جو شخص قصداً مجھ پر جھوٹ بولے
فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ — اس کو اپنا ٹھکانہ جہنم میں تلاش کرنا چاہیئے۔

اس جملہ نے حدیث کی اہمیت کو واضح کر دیا۔ اتنی سخت وعید صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ حدیث حجت شرعیہ ہو جس سے حلال و حرام کا فیصلہ ہو سکے مزید برآں "عَلَيَّ" (مجھ پر) صاف بتا رہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنا عام جھوٹ کے مانند نہیں، اگر عام جھوٹ کے مانند ہوتا تو عَلَيَّ کی

---

[1] مسند احمد کی روایت میں صراحت کے ساتھ اس چیز کو بیان کیا گیا ہے لیکن ہم نے وہ حدیث اس لئے نقل نہیں کی کہ اس کی سند میں کچھ ضعف ہے۔

ضرورت نہیں تھی۔ "عَلَیَّ" کی موجودگی بتا رہی ہے کہ حدیث حجت شرعیہ ہے۔

(۴) حدیث کی کتابت، کتابت کا حکم و اجازت اور صحابہ کرام کے جم غفیر کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اور بعد وفات حدیث تحریر کرنا اور کرانا بے شمار احادیث سے ثابت ہے، اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ التباس کا خطرہ ختم ہوتے ہی ممانعت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔

دوسرے اعتراض کا جواب دوسرے اعتراض کا منشاء یہ ہے کہ احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں، ڈھائی سو سال سے پہلے حدیث کی کوئی کتاب نہیں تھی، احادیث نہ تحریر کی جاتی تھیں اور نہ انہیں کوئی اہمیت حاصل تھی۔ یہ اعتراض بھی لایعنی ہے، عموماً یہ اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جنہوں نے کبھی فنِ حدیث کا مطالعہ نہیں کیا، اس اعتراض کی بنیاد سوائے لاعلمی اور عدم تحقیق کے اور کچھ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر ہر عہد میں حدیث کی کتابت ہوتی رہی۔ پہلے چھوٹی چھوٹی کتابیں تالیف ہوتی رہیں اور پھر انہی کو ملا کر بڑی کتابیں تالیف کی گئیں۔ ہر پہلے دور کی کتابوں کو بعد والے دور کے صحائف میں سمو دیا گیا۔ اگر صحیح بخاری ہی کو حدیث کی پہلی کتاب سمجھا جائے جیسا کہ بعض لوگ غلط فہمی سے کہہ دیا کرتے ہیں تو بھی یہ صحیح نہیں کہ احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں، اس لئے کہ صحیح بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تقریباً دو سو سال بعد لکھی گئی۔ امام بخاری کی تاریخ وفات کو صحیح بخاری کی تالیف کی تاریخ قرار دینا دھوکا ہے۔ صحیح بخاری کی تالیف سے پہلے حدیث کی صدہا کتابیں موجود تھیں۔ اب ہم ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں

جو صحاح ستہ سے پہلے لکھی گئیں اور خاص طور پر ان کتابوں کا ذکر کریں گے جو عہدِ رسالت اور عہد صحابہ میں تالیف کی گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتبِ احادیث

۱۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

کَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کِتَابَ الصَّدَقَۃِ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تحریر فرمائی تھی۔

(ابو داؤد)

۲۔ ابو راشد حبرانی کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے میرے سامنے ایک کتاب رکھی اور فرمایا:

ھٰذَا مَا کَتَبَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ — یہ وہ کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لکھ کر دی ہے۔

(ترمذی ابواب الدعوات جلد ۲ صفحہ ۵۲۰)

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں۔

وُجِدَ فِیْ قَائِمِ سَیْفِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کِتَابَانِ (دار قطنی مع التعلیق المغنی مطبوعہ فاروقی دہلی صفحہ ۳۴۳ کتاب الحدود) — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ میں سے دو نوشتے ملے تھے (ان میں مختلف ہدایات درج تھیں تفصیل کے لئے دار قطنی ملاحظہ ہو)

۴۔ موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں۔

عِنْدَ نَا كِتَابُ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (دار قطنی کتاب الزکوٰۃ ص۲۰۱)

ہمارے پاس حضرت معاذؓ کی کتاب ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

۵۔ إِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ دَعَا بِصَحِيْفَةٍ زَعَمُوْا أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بِهَا إِلَى مُعَاذٍ قَالَ نُعَيْمٌ فَقُرِئَتْ وَأَنَا حَاضِرٌ فَإِذَا فِيْهَا (نصب الرایہ کتاب الزکوٰۃ جلد ۲ ص۳۵۲ بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ ج۳ ص۱۳)

خلیفہ عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ تعالٰے نے اس کتاب کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالٰے عنہ کو بھیجی تھی منگوایا نعیم کہتے ہیں پھر وہ پڑھی گئی، میں اس وقت میں موجود تھا، اس میں یہ تھا . . . .

۶۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُكَيْمٍ قَالَ قُرِئَ عَلَيْنَا كِتَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَرْضِ جُهَيْنَةَ وَأَنَا غُلَامٌ شَابٌّ . . . . . (رواہ ابوداؤد جلد۲ ص۲۱۶ فی کتاب اللباس وروی الترمذی نحوہ)

عبد اللہ بن عکیم کہتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نوشتہ ملک جہینہ میں سنایا گیا اس زمانہ میں میں جوان لڑکا تھا (اس میں مختلف احکام درج تھے)

۷۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔

كَتَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُلِّ بَطْنٍ عُقُوْلَهٗ ثُمَّ كَتَبَ اَنَّهٗ لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَّتَوَالٰى مَوْلٰى رَجُلٍ مُّسْلِمٍ بِغَيْرِ اِذْنِهٖ ثُمَّ اُخْبِرْتُ اَنَّهٗ لَعَنَ فِيْ صَحِيْفَتِهٖ مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ (صحیح مسلم کتاب العتق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا تھا کہ دیت عصبہ کے ذمہ واجب الادا ہے پھر یہ بھی تحریر فرمایا تھا کہ کسی مسلم کے لئے جائز نہیں کہ کسی دوسرے مسلم کے آزاد کردہ غلام کو بغیر اُس مسلم کی اجازت کے اپنی طرف منسوب کرے، پھر مجھے خبر دی گئی کہ آپ نے اس صحیفہ میں ایسا کرنے والے پر لعنت بھی فرمائی۔

٨۔ امام طاؤس رحؒ فرماتے ہیں:

عِنْدَنَا فِيْ كِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْاَنْفِ اِذَا قُطِعَ مَارِنُهٗ مِائَةٌ مِّنَ الْاِبِلِ (نیل الاوطار جزء ص ۴۹ بحوالہ کتاب امام شافعیؒ)

ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کتاب ہے اس میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ناک کا اگلا حصہ کٹ جائے تو دیت میں سو اونٹ دینے ہونگے۔

٩۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى اَهْلِ الْيَمَنِ كِتَابًا فِيْهِ الْفَرَائِضُ وَالسُّنَنُ وَالدِّيَاتُ وَبَعَثَ بِهٖ مَعَ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضؓ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو اہل یمن کے لئے ایک کتاب بھی لکھ کر مرحمت فرمائی تھی جس میں فرائض، سنن اور دیات کے مسائل درج تھے۔

(نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸)

امام زہریؒ فرماتے ہیں میں نے وہ کتاب پڑھی تھی اور وہ کتاب ابوبکر بن حزمؒ کے پاس موجود تھی۔ (نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸)

پھر امام زہریؒ نے اس کتاب کا مضمون بیان کیا ہے (نسائی)
خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کتاب کی صحت کی شہادت دی ہے۔ (نیل الاوطار جز ۷، صفحہ ۱۶)

امام یعقوبؒ فرماتے ہیں:

لَا اَعْلَمُ فِیْ جَمِیْعِ الْکُتُبِ الْمَنْقُوْلَۃِ کِتَابًا اَصَحَّ مِنْ کِتَابِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ هٰذَا فَاِنَّ اَصْحَابَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ یَرْجِعُوْنَ اِلَیْهِ وَیَدَعُوْنَ رَاْیَهُمْ (نیل الاوطار جز ۷ صفحہ ۱۶)

جتنی کتابیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول چلی آئی ہیں ان میں سے کوئی کتاب میرے علم میں عمرو بن حزم کی اس کتاب سے زیادہ صحیح نہیں کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین عظامؒ اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اپنی رائے کو چھوڑ دیتے تھے۔

امام یعقوبؒ کے بیان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی بہت سی کتابیں تھیں اور سب سے زیادہ صحیح اُن کے علم کے مطابق عمرو بن حزمؓ کی کتاب تھی کیونکہ تواتر اور شہرت کا جو درجہ اس کتاب کو حاصل تھا وہ کسی اور کتاب کو نہ تھا۔ امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں۔

هٰذَا الْكِتَابُ مَشْهُوْرٌ عِنْدَ اَهْلِ السِّيَرِ مَعْرُوْفٌ مَا فِيْهِ عِنْدَ اَهْلِ الْعِلْمِ ۔ (نیل الاوطار جزء صـ۱۶)

یہ کتاب اہل تواریخ کے نزدیک مشہور ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ اہل علم کے نزدیک معروف ہے۔

۱۰۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں:

هٰذِهٖ نُسْخَةُ كِتَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِىْ كَتَبَهٗ فِى الصَّدَقَةِ وَهِىَ عِنْدَ اٰلِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ .... اَقْرَأَنِيْهَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَوَعَيْتُهَا عَلٰى وَجْهِهَا وَهِىَ الَّتِىْ انْتَسَخَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ وَسَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ (ابوداوٗد کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ صـ۲۲۷ ودارقطنی صـ۲۰۹)

یہ اُسی کتاب کا ایک نسخہ ہے جو کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے متعلق لکھوائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کتاب حضرت عمرؓ کے خاندان کے پاس تھی ..... مجھے یہ کتاب حضرت عمرؓ کے پوتے سالم نے پڑھائی تھی اور میں نے پوری طرح اس کو محفوظ کر لیا ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کتاب کو حضرت عمرؓ کے پوتوں سے لے کر لکھوایا تھا

اس کے بعد امام زہریؒ نے اس کتاب کا مضمون بتایا جو کتب حدیث میں محفوظ ہے۔

۱۱۔ سوید بن غفلہؒ کہتے ہیں :۔

اَتَانَا مُصَدِّقُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخَذْتُ بِیَدِہٖ وَقَرَأْتُ فِیْ عَہْدِہٖ لَا یُجْمَعُ بَیْنَ مُفْتَرِقٍ وَلَا یُفَرَّقُ بَیْنَ مُجْتَمِعٍ خَشْیَۃَ الصَّدَقَۃِ	ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحصیلدار آیا میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کی کتاب میں پڑھا کہ زکوٰۃ کے خوف سے متفرق مال کو جمع نہ کیا جائے اور مجتمع مال کو متفرق نہ کیا جائے۔

(ابوداؤد ج ۱ ص ۲۲۹ و دارقطنی ص ۲۰۴)

۱۲۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

بَیْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَکْتُبُ اِذْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْمَدِیْنَتَیْنِ تُفْتَحُ اَوَّلًا قُسْطُنْطِیْنِیَّۃُ اَوْ رُوْمِیَّۃُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ مَدِیْنَۃُ ھِرَقْلَ اَوَّلًا (دارمی طبع دمشق جلد اول ص ۱۲۶)	اس حالت میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے آپؐ سے پوچھا گیا "کون سا شہر پہلے فتح ہو گا قسطنطنیہ یا رومیہ؟۔ آپؐ نے فرمایا "ہرقل کا شہر پہلے فتح ہو گا۔"

غرض یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی کتابیں لکھوائیں لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ "آپؐ نے کوئی کتاب نہیں لکھی یا لکھنے سے منع فرما دیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ بہت سے صحابہ بڑے اہتمام کے ساتھ احادیث لکھا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صحابہ کو بھی تحریرِ احادیث کا حکم دیا

۱۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہ (صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ) (یہ احادیث) ابوشاہ کو لکھ کر دے دو۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے لوگوں نے کہا تم آپؐ کی ہر بات نہ لکھا کرو کبھی آپؐ خوش ہوتے ہیں اور کبھی ناراض ہوتے ہیں۔ انہوں نے لکھنا چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا یَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّا حَقٌّ (ابوداؤد کتاب العلم جلد ۲ صفحہ ۱۵۸) تم احادیث لکھا کرو۔ قسم اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا۔

صحابۂ کرام کی کتب احادیث

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

عَنْ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اَنَّ اَبَا بَکْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کَتَبَ لَہٗ ھٰذَا الْکِتَابَ لَمَّا وَجَّھَہٗ اِلَی الْبَحْرَیْنِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ھٰذِہٖ فَرِیْضَۃُ الصَّدَقَۃِ الَّتِیْ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْمُسْلِمِیْنَ وَالَّتِیْ اَمَرَ اللّٰہُ بِھَا رَسُوْلَہٗ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ)	جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو ایک کتاب لکھ کر دی جس کا مضمون یہ تھا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ زکوٰۃ کے وہ فرائض ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمین پر فرض کیا ہے اور جن کا حکم اللہ نے اپنے رسولؐ کو دیا تھا۔

حماد بن سلمہؒ کہتے ہیں :۔

اَخَذْتُ ھٰذَا الْکِتَابَ مِنْ ثُمَامَۃَ (نسائی کتاب الزکوٰۃ)	میں نے یہ کتاب حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پوتے ثمامہ سے حاصل کی تھی۔

۲۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

محمد انصاریؒ کہتے ہیں :

اِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِیْزِ	جب حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ

حِيْنَ اسْتُخْلِفَ اَرْسَلَ اِلَى
الْمَدِيْنَةِ يَلْتَمِسُ عَهْدَ رَسُوْلِ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي
الصَّدَقَاتِ فَوَجَدَهٗ عِنْدَ
اٰلِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ كِتَابَ
النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اِلٰى عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ فِي
الصَّدَقَاتِ وَوَجَدَ عِنْدَ اٰلِ
عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ كِتَابَ عُمَرَ
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ اِلٰى
عُمَّالِهٖ فِي الصَّدَقَاتِ
بِمِثْلِ كِتَابِ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى عَمْرِو
بْنِ حَزْمٍ فَاَمَرَ عُمَرُ بْنُ
عَبْدِ الْعَزِيْزِ عُمَّالَهٗ عَلَى
الصَّدَقَاتِ اَنْ يَّاْخُذُوْا بِمَا
فِيْ ذٰيْنِكَ الْكِتَابَيْنِ وَكَانَ
نَحِيْفًا ....

(دار قطنی کتاب الزکوٰۃ ص۲۱)

ہوئے تو انھوں نے ایک آدمی کو مدینہ
منورہ بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی کتاب الصدقات تلاش
کرائی۔ وہ کتاب عمرو بن حزم رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے خاندان کے پاس ملی۔ یہ
وہ کتاب تھی جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کو لکھ کر دی تھی اور حضرت عمر رضی
اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب حضرت عمر رضی
اللہ تعالےٰ عنہ کے خاندان کے پاس ملی۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کتاب
لکھ کر اپنے تحصیلداروں کو دی تھی۔
اس میں صدقات کے مسائل تھے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر
رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتابوں کا مضمون
ایک ہی تھا۔ پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز
رحمہ اللہ تعالےٰ نے اپنے عمّال کو حکم دیا
کہ صدقات ان کتابوں کے مطابق وصول
کیے جائیں (پھر محمد انصاری نے کہا)

ان دونوں کتابوں میں یہ مضمون تھا۔ (یہ مضمون کتبِ احادیث میں محفوظ ہے)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَنَّہٗ قَرَأَ کِتَابَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فِی الصَّدَقَۃِ

میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب الصدقہ کو پڑھا تھا۔

(موطا مالک کتاب الزکوٰۃ ص۱۰۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا مضمون اپنی شہرہ آفاق کتاب موطا میں درج فرمایا ہے جو اب تک محفوظ ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دوسری تحریر

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ کَتَبَ مَعِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِلٰی اَبِیْ عُبَیْدَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مَوْلٰی مَنْ لَّا مَوْلٰی لَہٗ وَالْخَالُ وَارِثُ مَنْ لَّا وَارِثَ لَہٗ۔ (رواہ الترمذی فی ابواب الفرائض)

حضرت ابوامامہ کہتے ہیں: "حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرے ہمراہ ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جس شخص کا کوئی وارث نہیں اُس کا وارث اللہ اور اس کا رسول ہے اور (اگر) ماموں (موجود) ہو تو وہ اس کا وارث ہوگا۔"

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تیسری تحریر

حضرت ابوعثمان کہتے ہیں:

جَاءَ نا کتاب عمرؓ...... ہمارے پاس حضرت عمرؓ کی تحریر آئی کہ

اما بعد اِنَّ النبیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نَہٰی عَنِ الْحَرِیْرِ اِلَّا هٰکَذَا اِصْبَعَیْنِ

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حریر پہننے سے منع فرمایا ہے مگر دو انگل کے حاشیہ تک کی اجازت دی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللباس)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چوتھا نوشتہ

ایک مرتبہ ورثہ کے متعلق ایک مقدمہ پیش ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔

فکتب له کتابًا فیه شهادة عبد الرحمٰن بن عوفؓ وزید بن ثابتؓ ورجل اٰخر۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس فیصلہ نبوی کو لکھ کر دیدیا اور بطور شہادت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زید بن ثابتؓ اور ایک اور آدمی نے دستخط کئے۔

پھر خلیفہ عبدالملک رحمہ اللہ کے زمانہ میں اسی قسم کا مقدمہ پیش ہوا۔

فقضی لنا بکتاب عمرؓ (ابوداؤد کتاب الفرائض ج ۲ ص ۴۸)

تو حضرت عبدالملکؒ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اس تحریر کے مطابق فیصلہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کی حفاظت کی

کَتَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب

وَسَلَّمَ کِتَابَ الصَّدَقَةِ ..... الصدقہ لکھی تھی اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ

فَعَمِلَ بِهَا اَبُوْ بَکْرٍ حَتّٰی قُبِضَ تعالٰی عنہ نے اپنی وفات تک عمل کیا پھر

ثُمَّ عَمِلَ بِهَا عُمَرُ حَتّٰی قُبِضَ۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنی

(ابوداؤد جلد اول ص ۲۲۶) وفات تک عمل کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا حفاظت حدیث اور تعلیمِ حدیث کا انتظام کرنا

۱۔ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک

خَطَبَ یَوْمَ الْجُمُعَةِ ..... مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں فرمایا، "اے اللہ

قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُشْهِدُكَ میں شہروں کے امراء پر تجھ کو گواہ کرتا

عَلٰی اُمَرَاءِ الْاَمْصَارِ وَاِنِّیْ ہوں۔ میں نے ان لوگوں کو صرف اس

اِنَّمَا بَعَثْتُهُمْ عَلَیْهِمْ لِیَعْدِلُوْا لئے مقرر کیا ہے کہ وہ ان میں عدل قائم

عَلَیْهِمْ وَلِیُعَلِّمُوا النَّاسَ دِیْنَهُمْ کریں اور لوگوں کو دین اور نبی صلی اللہ

وَسُنَّةَ نَبِیِّهِمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ علیہ وسلم کی سنتوں کی تعلیم دیں۔

وَسَلَّمَ۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ

باب نھی من اکل ثوما)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

قَیِّدُوا الْعِلْمَ بِالْکِتَابِ (دارمی علم کو لکھ کر محفوظ کرلو۔

جلد اول ص ۱۲۷ و جامع بیان العلم جلد ۱

ص ۷۲)

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی حدیث وسنّت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ فرمایا:

اَقْبِلُوْا عَلَیَّ بِوُجُوْهِكُمْ اُصَلِّیْ	میری طرف منہ کرو میں تم کو رسول اللہ صلّی
بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی	اللہ علیہ وسلّم کی طرح نماز پڑھ کر بتاؤں
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِیْ كَانَ	جس طریقہ سے کہ آپؐ خود بھی پڑھتے تھے
يُصَلِّیْ وَيَأْمُرُ بِهَا فَقَامَ مُسْتَقْبِلَ	اور پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ پس
الْقِبْلَةِ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰی حَاذٰی	حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ قبلہ کی طرف
بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ	منہ کرکے کھڑے ہو گئے۔ دونوں ہاتھوں
رَكَعَ وَكَذٰلِكَ حِيْنَ رَفَعَ	کو کندھوں تک اٹھایا پھر اللہ اکبر کہا،
فَقَالَ الْقَوْمُ هٰكَذَا كَانَ	پھر رکوع کیا اور اسی طرح اس وقت کیا
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ	جب رکوع سے سر اٹھایا (یعنی رکوع سے
وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ بِنَا۔ (خلافیات	پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کیا) تمام
امام بیہقیؒ نصب الرایۃ وتسہیل القاری	صحابہؓ نے فرمایا بے شک رسول اللہ صلّی
شرح صحیح بخاری جلد ۳)	اللہ علیہ وسلم ہمیں ایسی ہی نماز پڑھایا
	کرتے تھے۔

۴۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب

محمد بن علیؒ کہتے ہیں:۔

اَرْسَلَنِیْ اَبِیْ خُذْ هٰذَا	(جب) میرے والد (حضرت علیؓ) نے
الْكِتَابَ فَاذْهَبْ اِلٰی عُثْمَانَ	مجھے (حضرت عثمانؓ کے پاس) بھیجا، تو

فَاِنَّ فِیْهِ اَمْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِی الصَّدَقَةِ

مجھ سے فرمایا کہ یہ کتاب لو اور (حضرت) عثمان (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے پاس جاؤ کیونکہ اس میں صدقہ کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کے احکام مندرج ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔

اَغْنِهَا عَنَّا (صحیح بخاری کتاب الجہاد)

ہم سے اس کو کافی سمجھو یعنی ہم اس سے مستغنی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی کتاب الصّدقہ کی نقلیں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے پاس بھی موجود تھیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود سنّت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ تَوَضَّأَ بِالْمَقَاعِدِ فَقَالَ اُرِیْكُمْ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَتَوَضَّأَ ثَلٰثًا ثَلَاثًا۔ (صحیح مسلم وروی البخاری نحوہ)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مقاعد کے مقام پر وضوء کیا۔ انہوں نے لوگوں سے کہا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کرنے کا طریقہ بتا رہا ہوں۔ پھر حضرت عثمانؓ نے وضوء کیا اور ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھویا۔

۴۔ حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں:

مَا عِنْدَ نَا شَيْءٌ اِلَّا كِتَابُ اللهِ وَهٰذِهِ الصَّحِيْفَةُ عن النبيِّ صلى الله عليه وسلم ۔ (صحیح بخاری کتاب المناسک باب حرم المدینۃ وروی مسلم نحوہ)

ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے سوائے کتاب اللہ کے اور اس صحیفہ کے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سنت کی تعلیم کا اہتمام کرنا

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

تَذَاكَرُوا هٰذَا الْحَدِيْثَ وَتَزَاوَرُوا فَاِنَّكُمْ اِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا يَدْرُسْ (دارمی باب مذاکرۃ العلم ص۱۵۰)

ایک دوسرے سے ملتے رہا کرو اور احادیث کا دورہ کرتے رہا کرو ورنہ حدیث کا علم مٹ جائے گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ خود بھی باوجود خلافت کے بوجھ کے، سنت کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک مرتبہ وضوء کیا پھر فرمایا۔

اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (ترمذی و نسائی)

میں چاہتا تھا کہ تمہیں بتاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح وضوء کیا کرتے تھے۔

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہرہ آفاق کتاب

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک کتاب لکھی تھی۔ اس کا نام صادقہ تھا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں :

مَا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَدٌ اَكْثَرَ حَدِيْثًا عَنْهُ مِنِّيْ اِلَّا مَا كَانَ مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو فَاِنَّهٗ كَانَ يَكْتُبُ وَلَا اَكْتُبُ۔

صحابہؓ میں سے کوئی شخص بھی مجھ سے زیادہ احادیث روایت نہیں کرتا سوائے عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ تعالےٰ عنہ) کے اس لئے کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔

(صحیح بخاری کتاب العلم)

یہی وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا (جیسا کہ اوپر گذرا) "لکھا کرو۔ اس منہ سے سوائے حق کے اور کوئی بات نہیں نکلتی"۔ (ابوداؤد کتاب العلم) یہی وہ کتاب ہے جو ان کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی اور ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیب سے محدثین نے اس کو اخذ کر کے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

۶۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابیں

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک کتاب اپنے شاگرد ہمام کے لئے مرتب کی تھی جو صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہے اور اب چھپ چکی ہے۔

(صحیفہ ہمام بن منبہ کا پیش لفظ از ڈاکٹر حمید اللہ ص۴۸)

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ایک تالیف ان کے شاگرد بشیر بن نہیک نے مرتب کی۔ دارمی نے روایت کی ہے، بشیر کہتے ہیں میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے جو کچھ سنتا لکھتا جاتا تھا جب میں نے ان سے رخصت ہونا چاہا تو ان کے پاس ان کی کتاب لایا اور انہیں پڑھ کر سنائی اور ان سے کہا یہ وہ چیز ہے جو میں نے آپ سے سنی ہے انہوں نے کہا ہاں" (دارمی ج اول ص۱۲۷)

۷۔ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب

حضرت سمرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے بھی ایک کتاب تحریر فرمائی تھی۔ امام حسن بصری تابعی رحمہ اللہ کے پاس وہ کتاب تھی۔

اِنَّمَا یُحَدِّثُ عَنْ صَحِیْفَةِ سَمُرَةَ (ترمذی ابواب البیوع باب ماجآءَ فی احتلاب المواشی بغیر اذن الارباب جلد اول ص۲۰۴)

اور وہ اس کتاب سے حدیثیں سنایا کرتے تھے۔

۸۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب

حضرت سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بیٹے فرماتے ہیں:

وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ سَعْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَضٰی بِالْیَمِیْنِ مَعَ الشَّاھِدِ (ترمذی ابواب الاحکام باب ماجاءَ فی

ہم نے سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب میں یہ دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور قسم پر فیصلہ کیا۔

الیمین مع الشاہد جلد اول ص۲۱۷)

۹۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتابیں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کئی کتابیں لکھی تھیں۔
یہ ان کی زندگی میں شائع ہو چکی تھیں۔
عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ نَفَرًا قَدِمُوْا عَلَی ابْنِ عَبَّاسٍ مِنْ اَھْلِ الطَّائِفِ بِکِتَابٍ مِنْ کُتُبِہٖ فَجَعَلَ یَقْرَأُہٗ عَلَیْھِمْ (ترمذی کتاب العلل جلد۲ ص۲۳۶)	طائف کے چند آدمی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب لائے۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کتاب ان کو پڑھ کر سنائی۔

یہ ہی وہ کتابیں تھیں جن کو امام زہری رحمہ اللہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سن کر محفوظ کیا اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ محدثین کو یہ امانت سونپ دی اور آج تک یہ ان محدثین کی کتب میں محفوظ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حدیث کی تعلیم کا اہتمام کرنا

سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں :۔

کُنْتُ اَکْتُبُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ فِیْ صَحِیْفَۃٍ (دارمی جز اول ص۱۲۸)	میں ابن عباسؓ کے پاس بیٹھکر ایک صحیفہ میں لکھا کرتا تھا۔

صحیح بخاری کتاب الخصومات میں ہے :۔

قیّد ابن عباسؓ عکرمة علیٰ تعلیم القرآن والسنن والفرائض ۔ (رواہُ البخاری تعلیقاً ج ۳ ص ۱۶۱ ووصلہ ابن سعد فی الطبقات)	عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عکرمہ کو قرآن، احادیث اور فرائض سکھانے کے لئے مقیّد کر رکھا تھا۔

۱۰۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب

سعید بن ہلال کہتے ہیں :۔

کُنَّا اِذَا اَکْثَرْنَا عَلیٰ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فَاَخْرَجَ اِلَیْنَا مَحَالًا عِنْدَہٗ فَقَالَ هٰذِہٖ سَمِعْتُهَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم فَکَتَبْتُهَا وَعَرَضْتُهَا عَلَیْہِ (مستدرک حاکم)	جب ہم حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ (پوچھ گچھ) کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک دفتر نکالتے اور فرماتے یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنی ہیں۔ میں نے آپ کی حیات مقدسہ میں ان کو لکھا اور لکھ کر آپؐ کو سنائی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور حفاظت حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرمایا کرتے تھے :۔

یَابُنَیَّ قَیِّدُوْا هٰذَا الْعِلْمَ (دارمی ج اول ص ۱۲۷ وجامع بیان العلم نحوہٗ جلد ا ص ۷۲)	اے میرے بچو اس علم کو لکھ کر محفوظ کر لو۔

۱۱۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی کتاب

سلیمان تیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ذَهَبُوْا بِالصَّحِيْفَةِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ اِلَى الْحَسَنِ الْبَصَرِيِّ فَاَخَذَهَا۔ (ترمذی ابواب البیوع باب ماجاء فی ارض المشترک یرید بعضھم بیع نصیبہ جلد اول ص۴۰۹)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گئے تو انہوں نے اس کو یاد کر لیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما اور حفاظت احادیث

"سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام نافع کو دیکھا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما انہیں املاء کرا رہے تھے اور وہ لکھتے جاتے تھے۔ (دارمی جلد اول ص۱۲۸ الف)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حفاظت احادیث

براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس بیٹھ کر لوگ ان کی احادیث لکھا کرتے تھے۔ (دارمی مطبوعہ دمشق جزء اول ص۱۲۸)

۱۲۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب

نافع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مروان خطبہ دے رہے تھے۔ اس میں انہوں نے مکہ معظمہ کے حرم ہونے کا ذکر کیا تو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے

ان کو پکار کر کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ مکہ کی حرمت کا تم نے ذکر کیا اور مدینہ کی حرمت کا ذکر نہیں کیا۔ پھر فرمایا۔

وَقَدْ حَرَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا وَذٰلِكَ عِنْدَنَا فِيْ اَدِيْمٍ الْخَوْلَانِيِّ اِنْ شِئْتَ اَقْرَأْتُكَهُ (صحیح مسلم باب فضل المدینۃ)	تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سنگستانوں کے درمیانی علاقہ کو یعنی مدینہ کو حرم قرار دیا ہے اور یہ حکم میرے پاس خولانی چمڑے پر لکھا ہوا ہے اگر تم چاہو تو پڑھ کر سناؤں۔

جمہور صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کی کتابیں

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں۔

بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكْتُبُ اِذْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ الْمَدِيْنَتَيْنِ تُفْتَحُ اَوَّلًا قُسْطُنْطِيْنِيَّةُ اَوْ رُوْمِيَّةُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَلْ مَدِيْنَةُ هِرَقْلَ اَوَّلًا (دارمی جزء اول ص۱۲۶)	اس حالت میں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد بیٹھے ہوئے لکھ رہے تھے آپؐ سے پوچھا گیا کہ قسطنطنیہ پہلے فتح ہوگا یا رومیہ۔ آپؐ نے فرمایا نہیں ہرقل کا شہر پہلے فتح ہوگا۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالےٰ عنہ وہی بزرگ

صحابی ہیں جن کی کتابِ حدیث "صحیفہ صادقہ" کے نام سے مشہور ہے ان ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ احادیث لکھا کرو اس لئے کہ اس منہ سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ (ابو داؤد)

تفصیل کے لئے گذشتہ صفحات ملاحظہ ہوں۔

خلاصہ | غرض یہ کہ اکثر صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم احادیث لکھتے تھے۔ خود انہوں نے احادیث کی کتابیں مدوّن کیں۔ پھر تابعین کو اپنے سامنے بٹھا کر لکھواتے تھے۔ ان کتابوں میں سے بعض کتابیں اب بھی مل جاتی ہیں مثلاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا مرتب کردہ صحیفہ جو صحیفہ ہمّام کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

تابعین رحمہم اللہ کی کتابوں کا تذکرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے صحائف کا مختصر ذکر آپ اوپر پڑھ چکے ہیں۔ تابعین کے دور میں آئمہ دین نے اتنی کتابیں لکھیں کہ ان کا حصر مشکل ہے اور نہ اس مختصر مضمون میں ان تمام تالیفات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

تبع تابعین رحمہم اللہ اور کتابت احادیث

تابعینؒ سے یہ علم تبع تابعین رحمہم اللہ نے حاصل کیا اور متعدد کتابیں تالیف کیں جو آج کل احادیث کا ماخذ سمجھی جاتی ہیں مثلاً موطا امام مالک۔ مسند امام شافعی اور امام شافعی کی دوسری کتب۔ مصنف عبد الرزاق۔ مسند امام احمد اور امام احمد کی دوسری کتابیں وغیرہ وغیرہ۔ ان ہی کتب سے احادیث، صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں منتقل ہوئیں جو آج تک محفوظ و متواتر ہیں۔ فللہ الحمد

ڈھائی سو سال کا شاخسانہ

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کی کتابیں مرتب کیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے گرد بٹھا کر احادیث املاء کرائیں۔ خلفائے راشدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتابوں کی حفاظت کی اور ان پر عمل کیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی احادیث کو اپنے صحیفوں میں جمع کیا۔ بعض نے لکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کر کے سندِ صحت بھی حاصل کی۔ بعض نے اپنے تابعین شاگردوں کو املاء کرائیں۔ تابعین نے بھی عام طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی تحریر کردہ کتابوں کو جمع کیا اور ان کو بڑی کتابوں میں تالیف کیا۔ تابعین سے یہ علم تبع تابعین کو پہنچا۔ ہر دور میں انہیں حفظ بھی کیا گیا اور تحریر بھی کیا گیا۔ لہٰذا یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ احادیث ڈھائی سو سال بعد تحریر میں لائی گئیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتب کردہ صحیفہ جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے مشہور ہے، طباعت کے زیور سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکا ہے۔ یہ صحیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تقریباً چالیس سال بعد لکھا گیا تھا۔ حضرت ہمام کے شاگرد حضرت معمر بن راشد کا صحیفہ بھی دستیاب ہو چکا ہے۔ یہ صحیفہ بھی پہلی صدی کے آخر میں لکھا گیا۔ امام مالک کی موطا جو امام مالک کے زمانے سے لے کر اب تک مشہور اور متواتر ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تقریباً سو سال بعد لکھی گئی۔ ان تینوں کتابوں کی موجودگی اس

مفروضہ کی تردید کے لئے کافی ہے کہ "احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں"۔ پھر مسند امام شافعی۔ کتاب الام۔ مسند احمد۔ مصنف عبدالرزاق۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ مسند حمیدی وغیرہ متعدد کتابیں دوسری صدی میں لکھی گئیں اور آج بھی موجود ہیں۔ ان کے علاوہ عہد صحابہ اور عہد تابعین میں بے شمار صحیفے تھے جو دوسری کتابوں میں سمو دیئے گئے اور ان کا علیحدہ وجود باقی نہ رہ سکا۔ دوسری صدی کی ان مولفات کی موجودگی بھی ڈھائی سو سال کے شاخسانہ کی تردید کرتی ہے۔ دوسری صدی کی ان تصانیف میں سے بعض تصانیف کافی ضخیم ہیں۔ مثلاً مسند امام احمد جو ضخامت میں صحیح بخاری سے کئی گنی ہے۔

اکثر بعد میں آنے والے محدثین کی یہ روش رہی کہ اپنے ماقبل محدث کی کتاب کی نقل کرتے اور اس میں دوسرے محدثین کی کتابوں کو بھی شامل کر دیتے۔ اس طرح یہ مجموعے ان بعد میں آنے والوں کی طرف منسوب ہو گئے اور وہ قدیم صحیفے جو اُن مجموعوں کا جزء بنے (سوائے چند صحیفوں کے) اپنا علیحدہ وجود برقرار نہ رکھ سکے۔ درس وتدریس بھی ان ضخیم مجموعوں کے ذریعہ جاری رہی اس لئے عموماً یہی مجموعے باقی رہے۔ ان ضخیم اور باقی رہنے والے مجموعوں کی موجودگی، بعض لوگوں کو اس شبہ میں ڈالتی ہے کہ شاید ان مجموعوں سے پہلے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں گئی حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ مثال کے طور پر موطا امام مالک کو لیجئے۔ امام محمد نے موطا امام مالک کی احادیث جمع کیں اور اس میں کچھ اور احادیث شامل کر دیں نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا مجموعہ بجائے موطا امام مالک کہلانے کے موطا امام محمد کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح امام مالک کے دوسرے شاگرد بھی اگر امام محمد کی روش اختیار کرتے تو آج

موطا امام مالک کا وجود نہ ہوتا۔ خوش قسمتی سے امام مالک کے ۳۲ شاگردوں نے موطا امام مالک کو بغیر ترمیم اور اضافہ کے تحریر کیا اور اس طرح آئندہ بھی ہوتا رہا، لہٰذا موطا امام مالک اپنی علیحدہ حیثیت سے باقی رہی اور آج تک موجود ہے۔ اس مثال سے واضح ہوا کہ قدیم کتابیں اس لئے نایاب ہوگئیں کہ ان میں اضافہ کرکے دوسری کتابوں کو مرتب کیا گیا۔ لہٰذا اگرچہ قدیم کتابیں علیحدہ حیثیت سے تو باقی نہ رہیں لیکن وہ ضائع نہ ہونے پائیں اور ان کا تمام مواد بعد میں مرتب کی جانے والی کتابوں میں محفوظ کر دیا گیا۔ ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہوا کہ ہر زمانے میں کتبِ احادیث مرتب کی گئیں اور یہ کہنا صحیح نہیں کہ ڈھائی سو سال بعد احادیث تحریر کی گئیں۔

ایک اور طریقے سے اس کو اس طرح سمجھئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ امام نافعؒ کو احادیث املاء کراتے تھے (جیسا کہ اسی کتاب میں گزر چکا ہے)، یہ حدیثیں امام نافع رحمہ اللہ سے امام مالکؒ نے تحریر کیں اور امام مالک کی کتاب آج تک موجود ہے۔ پھر امام مالکؒ کے شاگردوں نے موطا امام مالک کی نقلیں کیں اور ان سے امام بخاریؒ۔ امام مسلمؒ وغیرہ نے نقل کیا۔ لہٰذا یہ تحریری سلسلہ بغیر انقطاع امام مالکؒ تک پہنچا اور ان سے امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور دوسرے محدثین تک۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی احادیث پر کتابیں لکھیں۔ ان دونوں صحابیوں کے شاگرد امام زہری نے بھی متعدد کتابیں لکھیں۔ امام زہریؒ سے امام مالکؒ نے احادیث نقل کیں۔ یہی تحریری طریقہ

امام مالک کے نامور شاگردوں کے ذریعہ امام بخاری، امام مسلم وغیرہ تک پہنچا۔ لہذا کتابتِ حدیث مسلسل ہے اور شبہ انقطاع لغو ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے صحیفہ صادقہ لکھا۔ ان کے پڑپوتے سے محدثین نے اسے حاصل کیا اور اپنی کتابوں میں شامل کر دیا۔

بطور مثال یہ چند سندیں لکھی گئیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تقریباً تمام سلسلہ اسناد میں اسی طرح واقع ہوا اور کہیں بھی یہ تحریری سلسلۂ اسناد منقطع نہیں ہوا۔ ان مثالوں سے یہ بھی واضح ہوا کہ احادیث تحریری طور پر منضبط تھیں اور یہ صحیح نہیں کہ ڈھائی سو سال تک صرف زبانوں پر گھومتی رہیں۔

صحیح بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے تقریباً دو سو سال بعد لکھی گئی اور تقریباً اسی زمانہ میں صحیح مسلم مرتب ہوئی۔ ان تمام ادوار کی کتب کا موجود ہونا کیا اس مفروضہ کہ

"احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں" کی تردید کے لئے کافی نہیں۔

* اے ایمان والوں اپنے آپ کو اور اپنی آل و اولاد کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ۔ (تحریم)

* اللّٰہ یقیناً صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (بقرہ)

* بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ (النساء)

جماعتُ المسُلمینؔ کی مطبوُعہ وغیرمطبوُعہ کتابیں

۱۔ توحید المسلمین
۲۔ صلوٰۃ المسلمین
۳۔ زکوٰۃ المسلمین
۴۔ صوم المسلمین (زیر طبع)
۵۔ حج المسلمین
۶۔ منہاج المسلمین
۷۔ دعوات المسلمین
۸۔ ذہن پرستی
۹۔ تفہیم اسلام بجواب دو اسلام
۱۰۔ خلاصہ تلاش حق
۱۱۔ التحقیق فی جواب التقلید
۱۲۔ تفسیر قرآن عزیز (زیر کتابت)
۱۳۔ تاریخ الاسلام والمسلمین جس کے ماٰخذ صرف قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔